اداریہ

خدائے بزرگ و برتر کا بے انتہا فضل و کرم رہا جس کی بدولت راہِ نجات کا یہ تیسرا شمارہ آپکے ہاتھوں تک پہنچانے میں ہم کامیاب ہوگئے۔اس شمارے کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ رسالہ ھٰذا کا یہ شمارہ اس عالی قدر شخصیت کے بارے میں ہے جو دنیا کے عظیم داعیوں میں سے ایک زبردست داعی ہے۔چنانچہ تاریخ دعوت وعزیمت کے مصنف حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے حصہ اول کا اختتام اسی بزرگ ہستی کے کارناموں کے بیان کے ساتھ کیا ہے۔عوام کو متاثر کرنا اوران سے خراج تحسین حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ عوام کبھی کبھار دھوکے میں آکر بات کو بتنگڑ بنا کر پیش کرتے ہیں اور جب بگڑ جاتے ہیں تو آسمان کو زمین سے بھی پست دکھانے میں یا ثابت کرنے میں نہیں جھجکتے ہیں۔اس طلسماتی دنیا میں اگر کسی کی فکرونظر صحیح ہوسکتی ہے تو وہ اللہ کے ان نیک اور پاکیزہ بندوں کی فکرونظر ہے جنہیں خدا کی معرفت حاصل ہو اور جن کے قلوب اس ناپاک دنیا کی محبت و عظمت سے بے نیاز ہوں۔۔ماضی قریب کی بات ہے کہ اللہ نے اس نیم براعظم میں ایسی دو ہستیاں پیدا فرمائیں جنھوں نے اپنے داعیانہ کردار سے عامۃ المسلمین کو بہت فائدہ پہنچایا میری مراد ان دو ہستیوں سے علامہ اقبالؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ ہے۔علامہ اقبالؒ ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۸ء میں انتقال کرگئے۔اور مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے اور اور ۱۹۴۳ء میں انتقال کرگئے۔زمانے کی تھوڑی سی تقدیم وتاخیر کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ ہستیاں ہم عصر تھیں۔ایک نے عصری تعلیم میں یدطولیٰ حاصل کیا تھا اور دوسری ہستی نے دینی تعلیم میں تفوق حاصل کیا تھا۔ان کا آپس میں کوئی زیادہ رابطہ نہیں تھا لیکن جس چیز نے ان کے درمیان فکری ہم آہنگی پیدا کردی تھی وہ مثنوی مولانا رومؒ کے ساتھ ان دونوں حضرات کی فکری شیفتگی اور اس کے علاوہ مثنوی کا ان کی فکرونظر پر ایک زبردست اثر تھا۔چنانچہ علامہ اقبالؒ نظم کے پیرائے میں مولانا روم

ؒ کے علوم کے ناشر بنے اور شاہ اشرف علیؒ نثر کے انداز میں مولانا رومیؒ کے علوم کے داعی بنے۔اقبال کے ممدوح علماء نامی کتاب میں جو خط علامہ اقبالؒ کا بنام خواجہ حسن نظامی چھپا ہے اس کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کو مولانا تھانویؒ کے ساتھ مثنوی کی تفسیر میں کس قدر فکری یگانگت تھی۔چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت!میں نے مولانا جلال الدینؒ کی مثنوی کو بیداری میں پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے۔آپ نے شاید اسے سُکر کی حالت میں پڑھا ہے کہ اسمیں آپ کو وحدت الوجود نظر آتا ہے۔مولوی اشرف علی صاحب تھانوی سے پوچھئے وہ اس کی تفسیر کس طرح کرتے ہیں میں اس بارے میں انہی کا مقلد ہوں'' (بحوالہ مقالات اقبال ص ۱۸۰)

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مثنوی شریف کو اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ سے درساً پڑھا تھا اور علامہ اقبالؒ کو خواب میں مسجد قرطبہ کی زیارت کے دوران مثنوی کو بغور پڑھنے کا ارشاد مولانا رومؒ نے صادر فرمایا تھا۔مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کلید مثنوی کے نام سے اس کتاب کی ایک مدلل شرح اس کتاب کے عاشقوں کو فراہم فرمائی اوران کے جتنے بھی مواعظ چھپے ہیں ان سب کی زینت مثنوی کے اشعار بنے ہوئے ہیں اسی طرح علامہ کی مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' (ترجمہ) ''اے مشرق کے اندر رہنے والی اقوام ہمیں کیا حکمت علمی وعملی اختیار کرنی چاہئے''۔جب ۱۹۳۶ء میں اشاعت پذیر ہوئی اس میں علامہ اقبالؒ کو پیر رومیؒ نصیحت کرتے ہیں کہ تم اہل مشرق کو دین وسیاست کے معانی ومقاصد سمجھاؤ۔چنانچہ علامہ نے حکمت کلیمی اور حکمت فرعونی کے خصائص بتائے ہیں۔پھر توحید،فقر،شریعت وطریقت کے اسرار ورموز اور اتحاد اقوام کے برکات سمجھائے ہیں۔دونوں حضرات کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ دونوں کی فکرونظر پر مولانا رومیؒ کے عرفانی کلام کا زبردست بلکہ اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ دونوں حضرات مولانا رومیؒ کے فکرانگیز کلام

کے داعی ہیں جس کے متعلق مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے کہ ؎

ہست قرآن درزبانِ پہلوی
مثنویِ مولویٔ معنوی

(ترجمہ) مولانا رومی کی مثنوی گویا فارسی زبان میں قرآن ہے اور یہ مثنوی مولوی معنوی ہے۔(معنوی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ الفاظ اگرچہ کچھ سطحی معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی پشت پر معانی کا ایک سمندر ہوتا ہے۔)

مدیر

(ایک ضروری اطلاع)

احقر نے مولانا رومیؒ کے اشعار کا ترجمہ حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ کے مثنوی شریف کے ترجمہ سے نقل کیا ہے۔جنہوں نے بڑی عرق ریزی سے پوری مثنوی کا ترجمہ کیا ہے۔اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔آمین۔

مقالہ نگار
عاصیؔ غلام نبی فتحگڈھی

پیر رومیؒ

از عاصیؔ غلام نبی وانی (ایم۔اے عربی، فارسی کشمیر یونیورسٹی)

ماہ نامہ راہِ نجات کا یہ تیسرا شمارہ حضرت جلال الدین رومیؒ کے متعلق ہے۔یہ میری دلی تمنا تھی کہ دنیائے اسلام کے اس عظیم مفکر، علم تصوف کے رازدان، عاشقوں اور مست لوگوں کے امیر کارواں، کے متعلق اپنے دلی جذبات کا اظہار کروں اللہ تعالیٰ نے میری اس دلی تمنا کو ''راہِ نجات'' کے اس شمارے میں شائع ہونے والے صفحات میں ''پیری رومی'' کے دلکش اور مٹھاس بھرے عنوان کے تحت ایک عملی شکل کی صورت میں وجود بخشا۔جس کے لئے میں ایسی زبان سے قاصر ہوں جس کے ذریعے میں خدائے ذوالجلال کا شکر بجالاؤں۔یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے عالم اسلام کو حضرت مولانا جلال الدین رومی جیسا صاحب دل متکلم عطا فرمایا جس نے اس امت کے ان افراد کا سینہ گرمایا جنہوں نے اپنے افکار سے اس امت کے اکثر افراد پر انمٹ نشان چھوڑے ہیں جن میں ایک مایہ ناز ہستی حضرت علامہ اقبالؒ کی ہے آج برصغیر میں ایسی کوئی مسجد نہیں جس میں علامہ اقبالؒ کا رس بھرا کلام واعظوں اور مبلغوں کے بیان کی زینت نہیں بنتا ہے اور سامعین جھوم جھوم کر اس کا مزا نہیں لیتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ بیسویں صدی کا یہ پی۔ایچ۔ڈی ڈاکٹر کس داعی کی گرم گفتاری سے متاثر ہوا اور اس داعی کے اندر وہ کون سی بات ہے جس نے آٹھ سو برس کے بعد علامہ کے قلب کو گرمایا وہ صرف اور صرف عشق کی وہ چنگاری ہے جو اللہ کی ذات عالی کے سوا ہر چیز کو جلاتی ہے مولانا رومیؒ کا اپنا شعر ہے ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت (رومیؒ)

ترجمہ: عشق ایک ایسا شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوجاتا ہے تو معشوق کے بغیر ہر چیز کو جلا ڈالتا ہے

علامہ اقبالؒ نے اگرچہ جگہ جگہ شیخ بوعلی سیناؒ، امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کی تعریف کی اور ان کے علوم سے استفادہ کیا ہے لیکن اپنے افکار وخیال پر مولانا رومیؒ کے عشقیہ کلام کو حاوی رکھا اور جا بجا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ شکوک وشبہات کو دور کرنے میں مولانا رومؒ کے کلام نے ان کی دستگیری فرمائی ہے وہ امت کا درد رکھنے والے حضرات کو مشورہ دیتے ہیں کہ ؎

علاج آتش رومیؒ کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

دوسری جگہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ؎

صحبت پیر رومؒ سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ، ایک حکیم سر بکف

وہ اللہ تعالیٰ دست بدعا ہیں ؎

عطا کن شور رومی، سوز خسرو
عطا کن صدق واخلاص سنائی
چناں با بندگی در ساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

ترجمہ: اے اللہ تو مجھے شور رومیؒ اور سوز خسروؒ عطا فرما اور میری گفتگو میں صدق واخلاص سنائی عطا فرما۔ میری بندگی اس مقام خاص پر پہنچی ہے جہاں بندہ بن کر رہنے میں ایسا سرور اور ایسی شادمانی

نصیب ہوئی ہے کہ اگر بفرض محال تو مجھے خدائی بھی بخشے تو میں وہ پکڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں

چنانچہ مولانا رومی نے بندگی کے متعلق خود فرمایا ہے کہ ؎

بندگی کن بندگی کن بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میری دعوت کوئی نئی دعوت نہیں ہے بلکہ مجھ سے پہلے اللہ کے ایک محبوب بندے مولانا رومیؒ نے اسی طرح دعوتِ دین کو پیش کیا ہے۔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں کہ ؎

چوں رومی در حرم دادم اذان من
از و آموختم اسرار جان من
بہ دورِ فتنۂ عصر کہن او
بہ دور فتنۂ عصر رواں من

ترجمہ: میں نے مولانا رومی کی طرح حرم میں اذان دی اور میں نے مولٰنا رومیؒ سے ہی اسرار جان یعنی ایمان کو جلا بخشنے والی باتیں سیکھ لی ہیں۔ عصر کہن یعنی پرانے زمانے کی گھتیوں کو سلجھانے کے لئے مولانا رومیؒ نے پیغام حق سنایا اور موجودہ دور کے فتنوں کو سلجھانے کے لئے میں نے اسی طرز کا بیڑا اُٹھایا۔

علامہ اقبالؒ امام رازیؒ کے متعلق جو فلسفہ کا ایک امام مانا جاتا ہے فرماتے ہیں۔

زِ رازی حکمت قران بیاموز ☆ چراغے از چراغِ او برافروز

ولے ایں نکتہ را از من فرا گیر ☆ کہ نتواں زیستن بے مستی وسوز

ترجمہ: ۔قران کی حکمت امام رازی کی مشہور تفسیر یعنی تفسیر کبیر سے سیکھ اور اس کے چراغ سے اپنے

چراغ کو روشن کر۔لیکن اس کے باوجود میرا ابھی ایک نکتہ یاد رکھ کہ زندگی کا حقیقی مزہ مستی اور سوز کے بغیر نہیں ہے۔جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کیا جاچکا کہ امام رازیؒ کے کلام سے اگر چہ علامہ اقبالؒ نے استفادہ کیا ہے اور ہمیں بھی استفادہ کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں لیکن مولانا رومیؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ؎

زاشعار جلال الدین رومیؒ

بہ دیوار حریم دل بیاویز (اقبالؒ)

ترجمہ:مولانا جلال الدین رومیؒ کے اشعار سے دل کے حرم کے دیواروں کو سجالے۔

مثنوی بنیادی طور پر تصوف کی کتاب ہے۔

مثنوی میں کیا ہے؟: جولوگ مثنوی کے متعلق یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مثنوی کس مضمون کے ارگرد گردش کررہی ہے ہم ان کو بلا واسطہ مولانا کے اشعار کے ذریعے ہی اس بات کا تعارف کرائیں گے اُن کے اپنے اشعار ہیں ؎

۱) ہر دکانے راست سودائے دِگر☆ مثنوی دُکان فقراست اے پسر

۲) دردکان کفش گر چرمَست خوب☆ قالبِ کفش ست اگر بینی تو چوب

۳) پیش قز از اں خز ادکن بُو د☆ بہر گز باشد اگر آہن بُو د

۴) مثنوی ما دکانِ وحدت ست☆ غیر واحد ہر چہ بینی آں بُت ست

(ترجمہ)

(۱) ہر دکان میں ایک دوسرا سودا ہے اے بیٹا مثنوی فقر کی دکان ہے مطلب یہ کہ مثنوی میں فقہی مسائل بیان کرنا مقصود نہیں۔ اسی لئے ہم نے دیت اور بیت المال کے مسائل کے لئے فقہ کی کتابوں کا حوالہ دے دیا ہے۔مثنوی میں اصل مقصد توحید کا بیان ہے۔

۲) موچی کی دکان میں اصل مقصود چمڑا ہے اگر تو لکڑی کے فرمے دیکھے گا تو وہ اصل مقصود نہیں ہے۔

۳) ریشمین کپڑا فروشوں کے سامنے ریشمی کالا کپڑا ہوگا۔اگر لوہا ہوگا تو گز کے لئے ہوگا۔مطلب یہ کہ ریشمی کپڑوں کی دکان میں اصل ریشمی تھان ہیں اگر لوہے کا گز ہے تو وہ اصل مقصود نہیں ہے۔

۴) ہماری مثنوی وحدت کی دُکان ہے۔واحد کے علاوہ تو جو کچھ دیکھے وہ بُت ہے۔مطلب یہ کہ مثنوی صرف توحید کی دُکان ہے۔توحید کے مضامین کے علاوہ جو کچھ مذکور ہے وہ بُت ہے۔

مولانا رومیؒ کے نزدیک تصوّف کی تعریف

دنیا کے بڑے مفکروں نے اپنے اپنے انداز کے مطابق تصوف کی تعریف کی ہے لیکن مولانا رومیؒ نے تصوف کی جو مختصر اور جامع تعریف کی ہے وہ اُن کے کمالِ معرفت کی ایک کھلی دلیل ہے۔فرماتے ہیں ؎

۱ **ہر چہ از تو یاوہ گردد از قضا☆ تو یقین داں کہ خریدت از بلا**

۲ **مَا لتَّصَوُّفُ قَالَ وِجدانُ الفَرَح ☆ فِی الفُوَادِ عِندَ اِتْیانِ التَّرَح**

(ترجمہ)

۱) قضا کی وجہ سے جو چیز تم سے گم ہو جائے تو یقین کرلے کہ اُس نے تجھے مصیبت سے نجات دی ہے۔مطلب یہ کہ کسی چیز کے فوت ہو جانے کو کسی مصیبت سے نجات کا ذریعہ سمجھو۔

۲) تصوف کیا ہے، کہا خوشی محسوس کرنا دل میں رنج آنے کے وقت۔مطلب یہ کہ تصوف کی حقیقت یہی ہے کہ انسان اس بات کا عادی ہو جائے ''ہر چہ از دوست می رسد نیکوست'' جو کچھ دوست یعنی اللہ کی طرف سے پیش آئے اس میں سراسر خیر ہے۔

مثنوی پر اعتراض کرنے والوں کو مولانا کا جواب:۔جس وقت مولانا رومیؒ مثنوی جیسی اعلیٰ کتاب ترتیب دے رہے تھے اس وقت کچھ احمقوں نے اس لاجواب کتاب پر محض ضد اور ہٹ

دھرمی کی وجہ سے اعتراضات کئے تھے مولانا رومیؒ نے ان کا شافی و کافی جواب دیا ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح نزولِ قرآن کے وقت اعتراض کرنے والوں نے اعتراضات کئے تھے کہ یہ محض پہلے قصے ہیں اس میں کوئی بلند پایا مضمون نہیں ہے اسی طرح یہ اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ اس مثنوی میں صرف قصے اور کہانیاں ہیں اور یہ مثنوی ظاہری و باطنی اعتبار سے طفلانہ قصوں سے لبریز یعنی بھری ہوئی ہے۔ایسے لوگوں کے متعلق مولٰنا رومیؒ حکیم غزنویؒ کے حوالہ سے اس طرح بات سمجھاتے ہیں ۔

۱ خوش بیان کرد آں حکیم غزنویؒ ☆ بہر محجو باں مثال معنوی

۲ کہ زقرآن گرنہ بیند غیر قال ☆ ایں عجب نبُود زِ اصحابِ ضلال

۳ کز شُعاعِ آفتابِ پُر زِ نُور ☆ غیر گرمی می نیابد چشمِ کُور

۴ خر بطے نا گاہ از خر خانۂ ☆ سر بروں آورد چوں طعّانۂ

۵ کایں سُخن پسَت است یعنی مثنوی ☆ قصۂ پیغمبرؑ ست و پیَروی

۶ نیست ذکر و بحثِ اَسرارِ بُلند ☆ کہ دوانند اولیا زاں سُو سَمند

۷ از مقاماتِ تبتُّل تا فنا ☆ پا یہ پا یہ تا ملاقاتِ خدا

۸ شرح وحدِّ ہر مقام و منزلے ☆ کہ بہَ پَر زُو بَر پَرَ د صاحبدلے

۹ جُملہ سَرتا سَر فسانہ است وفسُوں ☆ گُو دکانہ قصّہ بیرون و درون

۱۰ چو کتابُ اللہ بیامد ہم براں ☆ ایں چنیں طعنہ زدند آں کافراں

(ترجمہ)

۱ اس غزنوی دانا نے بہت اچھی بات کہی ہے۔مُنکروں کے لئے ،ایک بامعنی مثال) حکیم غزنویؒ حکیم سنائیؒ کو کہتے ہیں جو بہت بڑے حکیم اور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔

۲ کہ اگر قران میں سوائے لفظوں کے کچھ نہیں دیکھیں۔تو گمراہوں سے یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ مطلب یہ گمراہوں کی پہنچ محض قرآن کے لفظوں تک ہے۔

۳ کیوں کہ نور سے بھرے ہوئے سورج کی شعاعوں سے اندھی آنکھ گرمی کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتی۔یعنی ان کی مثال چمگاڈر کی سی ہے جو سورج کے نور سے محروم ہے۔صرف گرمی کا احساس کرتی ہے۔

۴ گدھوں کے طویلے سے،ایک احمق نے اچانک طعنہ باز کی طرح سر اُبھارا۔(خر بطہ بڑی بطخ کو کہتے ہیں مطلب احمق کی طرف اشارہ ہے۔جس نے بطخ کی طعن کرنے کے لئے سر ابھارا۔

۵ یہ بات یعنی مثنوی گھٹیا بات ہے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی کا قصّہ ہے۔

۶ بلند اسرار کی بحث اور ذکر نہیں ہے۔کہ اولیاء اُس طرف گھوڑا دوڑائیں۔مطلب یہ کہ اس میں اصحاب معرفت کی توجہ کی کوئی چیز نہیں ہے۔

۷ خلوت سے فنا تک کے مقامات درجہ بدرجہ،،اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک (مطلب یہ کہ مثنوی میں ابواب اور فصول قائم کر کے تصوف کے مراتب کا ذکر ہونا چاہئے تھا اور سالک کے لئے ہر منزل اور مقام کی نشاندہی ہونی چاہئے تھی۔

۸ ہر مقام اور منزل کی شرح،اور حد ہوتی،تا کہ پروں کے ذریعہ صاحب دل اس سے پرواز کرتا۔

۹ سب سراسر افسانہ،اور گورکھ دھندا ہے۔اندر اور باہر سے بچکانہ قصّہ

۱۰ جب اللہ کی کتاب آئی،اس پر بھی ان کافروں نے اسی طرح کے طعنے دئے

(دیکھو مثنوی دفتر سوم صفحہ ۴۰۲ اور ۴۰۳)

مثنوی کا عیب نکالنے والوں کو مولانا کی دعا

۱ عیب چیناں را ازیں دَم کوردار ☆ ہم بستاّ رِّیِ خود اے کردگار

۲ گفت حق چشم خفاشِ بد سگال ☆ بستہ ام من ز آفتاب بے مثال

۳ از نظرہائے خفاشِ کم و کاست ☆ انجم و آں شمس نیز اندر خفاست

(ترجمہ)

۱ عیب نکالنے والوں کو اس کلام سے اندھا رکھ۔اے خدا اپنی ستاری سے مطلب یہ کہ بزرگوں کے جو عیب چین ہیں تکوینی اعتبار سے ان کو میرے اس کلام سے محروم رکھ۔

۲ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بدخواہ چمگادڑ کی آنکھ کو میں نے بے مثال سورج سے بند کر دیا ہے۔مطلب یہ کہ جن کے قلوب پر مہر لگ گئی ہے ان کی آنکھیں بے مثال سورج سے بند ہیں

۳ چمگادڑوں کی ناقص نظروں سے ستارے اور وہ سورج بھی پوشیدگی میں ہے۔

(نوٹ) مولانا رومیؒ کی مبارک زندگی کے حالات لکھنے سے قبل مناسب ہے کہ تاریخ کے سب سے بڑے فتنہ یعنی فتنۂ تاتار پر روشنی ڈالی جائے جس کے سامنے شاہانِ اسلام تو نہ ٹِک سکے لیکن صوفیائے کرام سینہ سپر ہو گئے اور عالم اسلام کے مردہ دلوں کے اندر آگ روشن کی اور حملہ آور قوم کو حلقہ بگوشِ اسلام کر کے ہی دم لے لیا۔

فتنہ تاتار

(ساتویں صدی ہجری کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ)

اسلامی تاریخ کے اندر مسلمانوں کو ابتداء سے ہی ہر زمانے میں کسی نہ کسی خطرناک ازمائش سے دوچار ہونا پڑا لیکن اس پوری تاریخ اسلام میں ایک مرحلہ مسلمانوں پر ایسا بھی آیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔یہ ایک نہایت ہی سخت حادثہ تھا جب ساتویں صدی ہجری میں تاتاری قوم نے مسلمانوں پر حملہ کیا وراس زور سے کیا کہ قریب تھا کہ مسلمان پورے عالم سے مٹ ہی جاتے اگر خدا اسی حملہ آور قوم کی اولاد کو ہدایت سے نہ نوازتا۔

اس حملے کا ظاہری سبب کیا بنا؟

اس حملہ کے وقت ایک بادشاہ تھا جس کا نام علاء الدین محمد خوارزم شاہ تھا۔اس کی ہمسائیگی میں ایک قوم رہتی تھی جس کو تاتاری قوم کے نام سے جانا جاتا تھا اس تاتاری قوم کا ایک سردار تھا جس کا نام چنگیز خان تھا۔چنگیز خان نے خوارزم شاہ کو پیام بھیجا کہ میں بھی ایک بڑی سلطنت کا بادشاہ ہوں۔اور آپ بھی ایک وسیع سلطنت کے بادشاہ ہیں۔بہت مناسب بات ہوگی کہ ہم دونوں آپس میں تجارتی تعلقات قائم کریں۔خوارزم شاہ نے اس کو منظور کر لیا اور تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔تجارتی قافلے ایک دوسرے کے یہاں آنے جانے لگے۔اچانک ان تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوا اور وہ اس طرح کہ تاتار قوم کے چند تاجر ایک دفعہ حسبِ معمول علاء الدین خوارزم شاہ کی سلطنت کے حدود میں تجارت کے لئے آئے تھے۔لیکن علاء الدین نے ان تاجروں کو اپنے ایک ماتحت حاکم کی اس اطلاع پر کہ غالبًا اس قافلہ میں جاسوس بھی ہیں حکم دیا کہ قافلہ کے تمام تاجروں کو قتل کیا جائے اور پھر واقعتاً ان کو قتل بھی کیا گیا۔تاتاری قوم کا حکمران چنگیز خان تھا اس نے تاجروں کے قتل کا سبب دریافت کرنے کے لئے چند سفیر بھیجے۔علاء الدین نے ان سفیروں کو بھی قتل کرا دیا۔جو لوگ کسی طرح بچ گئے انہوں نے اس واقعہ کی اطلاع چنگیز خان کو دی اور سارے حالات بیان کئے۔یہ خبر سن کر چنگیز خان ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور تنہائی میں اس واقعہ پر غور کیا۔سفیر کو مار ڈالنا اُن کے نزدیک ایک ایسی حرکت تھی جس کی سزا دینا اس قوم کی گذشتہ روایات کے لحاظ سے ضروری تھا۔پہاڑی سے اتر کر چنگیز خان نے اعلان کیا کہ جس طرح آسمان پر دو آفتاب نہیں رہ سکتے اسی طرح اب زمین پر دو خاکان نہیں رہ سکتے۔تاتاری قوم اپنے حکمرانوں کو خاکان کہتے تھے گویا یہ ان کا لقب ہوتا تھا اس قوم کے لئے یہ ایک ناقابل برداشت واقعہ تھا جس پر برہم ہو کر تاتاری بادشاہ چنگیز خان نے نہ صرف خوارزم شاہ کی سلطنت پر حملہ کیا بلکہ پورے عالمِ اسلام پر حملہ کیا۔

حقیقی سبب کیا تھا؟

ظاہری سبب تو بیان ہوا لیکن حقیقی سبب یہ تھا کہ جب مسلمانوں کا ایک نہایت ہی قابل حکمران سلطان صلاح الدین ایوبی ۵۸۹ھ میں فوت ہوا تو اس کی بہت بڑی اور زرخیز سلطنت اس کی اولاد اور خاندان میں تقسیم ہوگئی۔لیکن وہ سب ان صلاحیتوں سے محروم تھے جن سے اللہ نے صلاح الدین کونوازا تھا۔وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے بھڑنے میں مشغول ہوگئے ۔اپنے بھائیوں کوشکست دینے کے لئے انگریز حکمرانوں سے بھی مدد لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی ۔ایسی صورت حال میں ان کی ماتحت سلطنتوں میں زبردست سیاسی انتشار و بدنظمی پیدا ہوئی اور زبردست اخلاقی زوال آیا۔انگریز دوبارہ ان اسلامی شہروں پر حملے کرنے لگے جن کوصلاح الدین ایوبی نے بڑی جدوجہد کے بعد واپس حاصل کیا تھا۔اللہ کا ہمیشہ یہ ضابطہ رہا ہے کہ بندوں کوخوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اور نافرمانی سے باز آنے کے لئے چند ایسے واقعات و تنبیہات کو وجود میں لاتا ہے جوایک نافرمان قوم کو باز آنے کے لئے کافی ہوتے ہیں اور پھر جب وہ قوم اُن واقعات سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کرتی ہے تو اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا جاتا ہے۔یہی معاملہ اس وقت کی اس قوم کے ساتھ ہوا۔وبائی امراض اور قحط سالی نے انہیں جا پکڑا۔دریائے نیل میں پانی میں کمی آگئی جبکہ اس کی طغیانی فصلوں کے لئے آبِ رحمت ثابت ہوتی تھی۔ایسا شدید قحط پڑا کہ آدمی نے آدمی کوکھانا شروع کیا۔اتنے لوگ مرگئے کہ کفن دینا ممکن نہ تھا۔مصر کے بادشاہ نے صرف ایک مہینہ میں دولاکھ بیس ہزار مُردوں کواپنے ذاتی مال سے کفن دیا۔لوگ کتوں اور مُردوں کوکھانے لگے بڑی تعداد میں بچے بھون بھون کرکھائے گئے ۔ایمانی اور اخلاقی حالت اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ لوگ اس میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔علامہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق جب کھانے کے لئے بچے اور چھوٹی عمر کے لڑکے نہیں رہے تو جس آدمی کا جس پر زور چلا اس نے اس کو بھون کرکھالیا۔یہ

تمام واقعات ہورہے تھے جو اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ لوگ اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتے،توبہ کرتے اور اللہ کوراضی کرتے۔اتنا ہی نہیں بلکہ ۵۹۷ھ میں ایک شدید قسم کا زلزلہ بھی آیا کہ صرف شہر نابلس اور اس کے اطراف میں بیس ہزار انسان دب کر ہلاک ہوگئے۔ایک مصنف نے (اگر اس میں مبالغہ نہ ہو) یہاں تک لکھا ہے کہ اس زلزلہ کا شکار گیارہ لاکھ انسان ہوگئے۔یہ سارے واقعات اس وقت کے مرکز خلافت بغداد کے آس پاس پیش آرہے تھے۔مرکز سے ہٹ کر عالم اسلام کے دیگر حصوں میں بھی باہمی خانہ جنگی اور اپنے بھائیوں کو مارنے کا سلسلہ جاری تھا۔اسی زمانہ میں تاتاری قوم نے چنگیز خان کی قیادت میں ایران وترکستان کونیست ونابود کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اور اس کے بعد مرکز خلافت بغداد کواپنا نشانہ بنانا چاہا۔اس وقت اگرچہ بغداد میں ایک ایسی تعداد بھی موجود تھی جو اصلاح اور درس وعبادت میں مشغول تھی اور اللہ کے کچھ بندے خانقاہوں اور مساجد میں اللہ اللہ کررہے تھے لیکن حکام اور خوشحال طبقے میں بہت بگاڑ آچکا تھا۔جاگیریں اور جائیدادیں حاصل کرنے کا شوق عروج پر تھا۔حکومت کے کارکنوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی ۔زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی فکرسوارتھی۔علماء کا قول ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ تورہ جاتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں رہتی۔یہی معاملہ اس وقت کے حکمرانوں کے ساتھ پیش آیا۔یہی وہ زمانہ تھا جب کہ خوارزم شاہی حکمران عالم اسلام کے مشرقی حصہ میں کسی کی شرکت کے بغیر حکومت کررہے تھے۔ان کی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔یہ بڑے جاہ وجلال کی سلطنت تھی جو سلجوقی بادشاہوں کی سلطنت کے کھنڈروں پر قائم ہوئی تھی۔مصروشام،عراق وحجاز اور کچھ دیگر چھوٹے علاقوں کو چھوڑ کر تقریباً سارا عالم اسلام خوارزم شاہی حکمرانوں کے ماتحت تھا ان سب کا بڑا بادشاہ علاء الدین محمد خوارزم شاہ تھا جو تقریباً ۲۱ سال تک حکومت کرتا رہا۔وہ اس زمانے میں نہ صرف مسلمان مملکتوں میں سب سے بڑا بادشاہ تھا بلکہ اپنے زمانے کا طاقتور بادشاہ تھا۔ذاتی طور پر یہ بادشاہ دین دار اور

خوش اعتقاد تھا۔اس کے علاوہ اس میں شجاعت و بہادری بھی تھی لیکن اس کی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں پاس پڑوس کی اسلامی سلطنتوں کے ختم کرنے میں خرچ ہوئیں۔اس نے سلجوقی حکمرانوں کو ان کے آخری حدود تک دھکیلنے اور پسپا ہونے پر مجبور کیا اور دوسری طرف غوری خاندان کے حکمرانوں کو ایک مختصر حصۂ زمین میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔

تاتاریوں کا حملہ کیسا تھا؟

تاتاریوں نے پہلے بخارا شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔پورا شہر مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہوا۔شہر میں کوئی زندہ نہیں بچا۔پھر دوسرے اسلامی شہر سمرقند کو خاکستر کیا۔ساری آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔یہی حال دوسرے شہروں مثلاً ہمدان، زنجان، قزوین اور نیشاپور وغیرہ کا ہوا خود خوارزم شاہ تاتاریوں کے خوف سے بھاگا۔تاتاری اس کو پکڑنے میں پیچھا کر رہے تھے یہاں تک کہ ایک نامعلوم جزیرہ میں اس نے دم توڑ دیا۔خوارزم شاہ نے ایران وترکستان کی مسلمان سلطنتوں کو اپنی مملکت میں ضم کر لیا تھا۔بادشاہ کی شکست کے بعد کوئی نہیں تھا جو مشرق میں ان کا مقابلہ کر سکتا۔تمام مفتوحہ علاقوں میں دہشت کا یہ عالم تھا کہ ایک تاتاری ایک گلی میں گھسا اور سو مسلمانوں کو قتل کر دیا ۔کسی کو ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ایک تاتاری عورت نے مرد کے بھیس میں تمام گھر والوں کو قتل کر دیا۔عالم اسلام کے لئے یہ ایک زبردست مصیبت تھی جس کی نظیر پوری تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔۶۵۶ھ میں چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان اسلامی دنیا کے دارالخلافت شہر بغداد میں داخل ہوا ۔بغداد میں چالیس دن تک قتل وغارت کا بازار گرم رہا۔پورے شہر میں لاشوں کے ڈھیر لگے تھے ۔خلیفہ کو فرش میں لپیٹ کر لاتوں اور ٹھوکروں سے ختم کر دیا گیا۔ہلاکوں نے مارے گئے افراد کا شمار کرایا تو ۱۸ لاکھ لوگ شمار ہوئے۔شیخ سعدیؒ اسی بغداد شہر میں طالب علم رہ چکا تھا بغداد کی اس تباہی پر اس نے ایک دلدوز مرثیہ کہا جس سے پڑھ کر ہر ذی حس آدمی کا دل زخمی ہو جاتا ہے۔بغداد کے بعد

حلب کا رخ کیا اور پھر دمشق میں داخل ہوا۔دونوں شہروں میں زبردست تباہی مچائی۔اب ان کا نشانہ مصر تھا لیکن مصر کے بادشاہ نے پیش قدمی کر کے اپنی دفاع کرنے کے بجائے جالوت کے مقام پر تاتاریوں پر حملہ کیا یہاں تاتاریوں کو شکست ہوئی۔وہ بھاگنے لگے تو مصریوں نے ان کا پیچھا کیا اور بہت ساروں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو گرفتار بھی کیا۔تاتاریوں کو شکست ہوئی اور اللہ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ملک شام سے ان کو بے دخل کر دیا گیا اور یہ کہاوت کہ ’’تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں‘‘ غلط ثابت ہوئی۔

تلوار کی ناکامی اور تبلیغ کی فتح

تاتاریوں نے ایک سال کے اندر بجلی کی طرح ایک وسیع اسلامی دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا۔یہ اگرچہ ایک عجیب قسم کا واقعہ ہے لیکن اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ راکھ کے اندر دبی ہو ئی چنگاری کی طرح داعیانِ اسلام پھر نمودار ہو گئے اور انہوں نے ان وحشی مغلوں کو دعوت اسلام دے کر اپنا معتقد بنا لیا

تاتاریوں کا قبول اسلام

چنگیز خان کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں تقسیم ہوئی

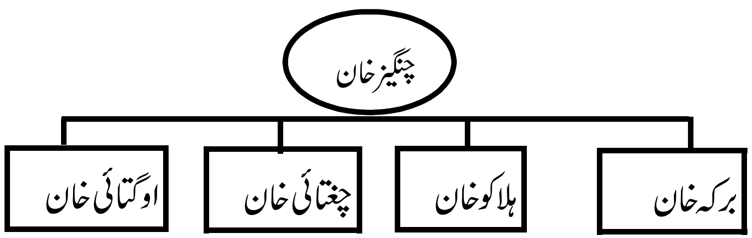

۱۔برکہ خان کے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ دو مسلمان تاجر بنے۔

۲۔ہلاکو خان کا بیٹا تکودار مسلمانوں کی صحبت کی وجہ سے مسلمان بنا اور اسلام کو اختیار کیا۔

۳؎ چغتائی خان کا پوتا براق خان تھا۔اس شاخ کا پہلا بادشاہ جس نے اسلام قبول کیا وہ یہی براق خان تھا.

۴؎ اوگتائی خان کے عہد میں حاکم ایران کرگز نے اسلام قبول کیا تیمور خان کے زمانہ میں خان اندا نے جو قوبلائی خاندان کا پوتا تھا۔اسلام قبول کیا۔

غرض آہستہ آہستہ اس پوری قوم نے اسلام کو قبول کیا جس نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کا عزم بالجزم کیا تھا اور اسلام نے ثابت کر کے دیا کہ اس کو اپنے مخالفین کو قابو کرنے کی ایک عجیب وغریب اور زبردست قدرت حاصل ہے۔یہ وحشی قوم نہ صرف مسلمان ہوئی بلکہ اس کے بعد ان میں بڑے بڑے مجاہد،عالم،فقیہ اور خدا دوست پیدا ہوئے جو اسلام کے پاسبان اور ترجمان ثابت ہوئے۔ان ہی تاتاریوں کے اسلام کو قبول کرنے کے متعلق علوم اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

ہے عیاں آج تاتار کے افسانے سے
پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

امام رازیؒ

ساتویں صدی ھجری کے وسط میں تاتاریوں نے عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی ۶۵۶ھ میں چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان بغداد میں داخل ہوا جو اس وقت دنیا میں اسلامی دارالخلافہ تھا اسی صدی کی ابتداء یعنی ۶۰۶ھ میں اسلامی دنیا کی ایک نامی گرامی شخصیت یعنی امام رازی وفات پا گیا۔امام رازی کو فلسفہ وعلم کلام میں زبردست کمال حاصل تھا۔یہ دونوں علم عقلی علوم ہیں جو اپنی باریکی کے اعتبار سے لوگوں کی عقلوں کو تسخیر کرتے ہیں۔ان سے پہلے امام غزالیؒ نے بھی اس فن میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا تھا۔لیکن امام رازیؒ نے ان علوم کے سابقہ شہسواروں کے تمام دلائل کو جمع کیا اوران سب پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔لہذا جو جامعیت امام رازیؒ کی تصانیف میں ان علوم کے متعلق پائی

جاتی ہے وہ سابقہ تصانیف میں نہیں پائی جاتی ہے لہٰذا جو لوگ قرآن مجید پر خالص فلسفیانہ حیثیت سے غور وفکر کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے تفسیر کبیر مشعل ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔

امام غزالیؒ اور امام رازیؒ نے ان عقلی علوم کے ذریعے اگرچہ مخالفین کی زبانوں کو بند کیا لوگوں کی عقلوں کو مسحور کر دیا لیکن انسان کے دل کو جس سکون کی ضرورت ہے وہ صرف فلسفہ اور عقلی علوم کی باریکیوں سے حاصل نہیں ہوتا۔آتش نمرود کو شکست دینے کے لئے عقل بہانے ڈھونڈنے لگتی ہے لیکن عشق ایسی زبردست آگ میں بے خطر کود پڑتا ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشا لب بام ابھی (اقبالؒ)

انسانی دماغوں کو متاثر کرنے کے لئے جن عقلی علوم کی ضرورت تھی وہ چونکہ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ سے اللہ نے پوری فرمادی تھی لیکن مسلمانوں کے قلوب کو گرمانے اور ان کے اندر غیر متزلزل ایمان ویقین کو جلا بخشنے کے لئے ایک صاحب دل متکلم کی ضرورت تھی اللہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے غیب سے سامان فراہم کر دیا اور یہ ہستی مولانا رومیؒ کی شکل میں عالم اسلام کو عنایت فرمائی اور اس وقت عالم اسلام کو اس کی سخت ضرورت تھی۔

پیر رومیؒ

علامہ اقبالؒ نے مولانا رومیؒ کو پیرِ رومیؒ کے نام سے یاد کیا ہے۔جس سال امام رازیؒ اس دنیا سے تشریف لے گئے اس سے قبل دوسال ۶۰۴ھ میں مولانا رومیؒ پیدا ہوئے

نام ونسب

مولانا رومیؒ کا اصل نام محمد تھا۔لقب جلال الدین اور عرف مولانا رومی تھا۔عام طور پر مولانا جلال الدین رومیؒ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔حضرات علماء کرام عام طور پر آپ کے

لئے آپ کے کمالات کے پیشِ نظر لفظ ''مولانا'' استعمال کرتے ہیں ۔قاضی تلمذ حسینؒ نے اپنی کتاب صاحب المثنوی میں آپکو اکمل الکاملین کے خطاب سے نوازا ہے ۔یہ اردو ادب میں ایک بے مثال کتاب ہے جوانہوں نے مولانا رومیؒ کی سوانح حیات کے متعلق لکھی ہے آپکا سلسلہ نسب حضرت ابو بکرصدیقؓ کے ساتھ جاملتا ہے۔

پیدائش

آپؒ ۶۰۴ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے آپکے والد کا نام بہاء الدین تھا اور وہ سلطان العلماء کے نام سے یاد کئے جاتے تھے ۔صاحب المثنوی کتاب کے مولف قاضی تلمذ حسین صاحب نے اس کے حالات میں لکھا ہے ''کہ ایک ہی شب میں بلخ کے تین سو مفتیوں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک میدان میں ایک بہت بڑا خیمہ نصب ہے اور آنحضرت ﷺ رونق افروز ہیں ،بہاوالدین کی نشست آپکے پہلو میں ہے اور دوسرے علماء وفضلا فاصلہ سے بیٹھے ہوئے ہیں ۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آج سے بہاءالدین کو سلطان العلماء'' (یعنی عالموں کا بادشاہ) کہیں ۔صبح کو یہ اصحاب اس غرض سے چلے کہ حضرت بہاءالدینؒ ولد کو واقعہ خواب سے آگاہ کریں ۔راستہ میں جو ملتا وہ اپنا خواب بیان کرتا اور جماعت کا تحیر بڑھتا جاتا ، جب قریب پہنچے تو بہاءالدین ولد نے اول ہی فرمایا کہ '' تا حضرت پیغامبر علیہ السلام از حال درویشاں اعلام نفر مود شمارا یقین نگشت'' (ترجمہ عبارت) جب تک حضور ﷺ نے درویشوں کے حال کے متعلق اعلان نہیں فرمایا تمہیں یقین نہیں آیا ۔پھر تو سب یکبار مرید ہوگئے اوراس کے بعد سے حضرت بہاءالدین اپنے نام کے بجائے ''کتبهُ سلطان العلماء'' (یعنی لکھا اس کو عالموں کے بادشاہ نے) لکھنے لگے ۔آپکی مجلسوں کا طریق باشاہوں کا سا تھا۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم وتربیت

مولانا کے والد صاحب کے جتنے خاص مرید تھے ان میں ایک بڑے پایہ کے بزرگ سید برہان الدینؒ تھے ۔مولانا کے والد صاحب نے ان ہی سید برہان الدین صاحبؒ کو مولانا رومیؒ کا استاد مقرر کیا اور مولانا کے والد صاحب نے جب ایک خاص واقعہ کی وجہ سے بلخ کو چھوڑا تب تک سید برہان الدین ہی مولانا کے استاد رہے ۔اس ترک وطن کے وقت مولانا رومیؒ کی عمر چار پانچ سال کی تھی اور مولانا رومیؒ کی وفات کے بعد ان ہی سید برہان الدین صاحب کے زیر ہدایت منازل سلوک (خدا کا تقرب حاصل کرنے کے راستے) طے فرمائے ۔

مولانا رومؒ کے والدؒ نے بلخ کو کیوں چھوڑا؟

مولانا رومیؒ کے والد صاحب کا اثر جب بلخ میں بہت زیادہ بڑھا اوران کے وعظ ونصیحت کو زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔اورمریدوں کی تعداد بے شمار ہوگئی تو بعض علماءِ عصر کو رشک ہونے لگا۔وہ اکثر اپنے وعظ میں یونانی فلسفیوں اوران کے مذہب کی مذمت فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کچھ لوگوں نے آسمانی کتابوں کو پس پشت ڈالا ہے اور فلسفیوں کے غلط خیالات کو اپنا مسلک بنا لیا ہے ۔یہ لوگ کیونکر امید رکھتے ہیں کہ انہیں نجات حاصل ہوگی ۔اس برملا مذمت کی وجہ سے علماء ظاہر کے دلوں میں آپکے خلاف ناراضگی پیدا ہوئی ۔لیکن بادشاہ خوارزم شاہ آپکا نہایت معتقد تھا۔جس کی وجہ سے ان لوگوں کو مولانا بہاءالدین کے خلاف شکایت کا موقع نہیں ملتا تھا۔ایک دن بادشاہ اچانک آپکی زیارت کو آیا جب کہ مولانا کے اردگرد بڑا مجمع تھا ۔بادشاہ کے ساتھ ایک عالم بھی تھا ۔بادشاہ نے اس سے تعجب کے انداز میں کہا کہ دیکھو کتنا بڑا مجمع ہے ۔بادشاہ کے یہ الفاظ سن کر اس عالم کو موقع ملا اور کہا کہ اگر اس کی تدبیر نہیں کی گئی تو اندیشہ ہے کہ انتظام سلطنت میں خلل واقع ہوگا اور پھر اس کا تدارک کرنا مشکل ہوجائے گا ۔گویا موقع پا کر بادشاہ کو بہاءالدین سے بدظن کرنا چاہا کہ کہیں لوگوں کا رحجان بادشاہ سے ہٹ کر سلطان العلماء بہاءالدین کی طرف ہی نہ ہوجائے بادشاہ نے پوچھا کیا

تدبیر کرنی چاہیے؟ مذکورہ عالم نے مشورہ دیا کہ خزانہ شاہی اور قلعوں کی کنجیاں مولانا کے پاس بھیج کر ساتھ ہی یہ پیام بھیجو دلی اطمینان اور لوگوں کی کثرت تو سب کچھ جناب کو حاصل ہے ہی۔ میرے پاس صرف کنجیاں رہ گئی ہیں، وہ بھی حاضر ہیں۔ بادشاہ کے اس پیغام سے آپ سمجھ گئے کہ ان کی عوامی مقبولیت بادشاہ کو پسند نہیں آتی ہے لہٰذا جواباً ارشاد فرمایا کہ بادشاہ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اس فنا ہونے والی دنیا کا یہ تمام خزانہ اور لشکر بادشاہوں کے لائق ہے۔ ہم درویشوں کو اس سے کیا تعلق؟ میں نہایت خوشی سے سفر کرتا ہوں تاکہ بادشاہ اپنے ماننے والوں اور پیاروں کے ساتھ یہاں پورے اطمینان کے ساتھ حکومت کرے۔ آنے والے جمعہ وعظ کہہ کر چلا جاؤں گا۔

بلخ کے لوگوں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو شہر میں بڑا کہرام اُٹھا۔ بڑی کھلبلی مچی۔ بادشاہ خوارزم شاہ کو بڑا وہم ہوا۔ قاصد بھیجے اور رات کے وقت اپنے وزیر کے ساتھ خود بھی حاضر خدمت ہوا تاکہ سلطان العلماء بہاء الدین کو سفر کے ارادہ سے باز رکھے۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ آخر ناامید ہو کر استدعا کی کہ آپ اس طرح روانہ ہوں کہ لوگوں کو خبر نہ ہو۔ ورنہ سخت فتنہ برپا ہو جائے گا۔ سلطان العلماء نے اس کو منظور کیا۔ جمعہ کو وعظ کہا اور سنیچر کو بلخ سے بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وعظ میں سلطان العلماء بہاء الدین نے خوارزم شاہ کو خبردار کیا کہ میرے بعد تاتاری غارت گر آرہے ہیں اور وہ تمہارے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ بلخ کے رہنے والوں کو قتل کریں گے۔ بادشاہ جان بچانے کے لئے روم کی طرف جائے گا اور وہاں ہلاک ہو جائے گا۔

ترکِ وطن کے متعلق سلطان ولد کا خیال

مولانا رومیؒ کے بیٹے کا نام سلطان ولد تھا۔ اس نے اپنے دادا کے ترک وطن کے متعلق یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ وطن عزیز کا چھوڑنا محض اتفاق و ناگہانی امر نہیں تھا بلکہ اس میں اشارہ غیبی بھی شامل تھا۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ بادشاہ کے پشیمان ہونے اور عذر کرنے پر بھی آپ نے ارادہ ترک نہیں کیا۔

دورانِ سفر عوام کا استقبال

سلطان العلماءؒ جب بلخ سے روانہ ہوئے تو جہاں سے گزرے وہاں کے چھوٹے بڑے شہر سے باہر نکل کر استقبال کرتے اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتے تھے۔ آپ اس قدر مشہور تھے کہ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی۔ مختلف شہروں میں قیام کرتے ہوئے آپ نیشاپور پہنچے۔

شیخ عطارؒ سے ملاقات

نیشاپور پہنچ کر شیخ عطارؒ سے ملاقات کی۔ آپ کے ساتھ آپ کے فرزند ارجمند مولانا جلال الدینؒ بھی تھے جو اگرچہ ابھی کم عمر تھے لیکن مولانا (جلال الدینؒ) کو دیکھ کر ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کر دی اور اپنی کتاب ''اسرار نامہ'' آپ کو عنایت فرمائی۔ مولانا زندگی کے آخری لمحات تک اس کتاب کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

قیام بغداد

نیشاپور سے چل کر مولانا رومیؒ کے والد صاحب جب بغداد پہنچے تو شہر کے محافظوں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ''مِن اللهِ والِیَ اللهِ ولا حَولَ وَلا قوّة الّا بِا الله ''از لامکان می آیم و بہ لامکان می دویم'' (ترجمہ) اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور پھر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی قوت ہے نہ طاقت۔ لامکان والے کی طرف سے آرہے ہیں اور لامکان والے ہی کی طرف جا رہے ہیں'' خلیفہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے اس وقت کے ایک بہت ہی بزرگ حضرت شیخ شہاب الدینؒ سہروردی جو سہرورد ایران کے رہنے والے تھے سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قول سلطان العلماء بہاء الدینؒ کے بغیر اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ پھر شیخ شہاب الدین نے خود بڑھ کر استقبال کیا اور چاہا کہ حضرت بہاء الدین کو اپنی خانقاہ

میں ٹھہراویں مگر مولانا نے فرمایا کہ ہمارے لئے مدرسہ ہی مناسب ہے اور **مدرسہ مستنصریہ** میں قیام فرمایا۔اسی دوران چنگیز خان نے ۶۱۷ھ میں بلخ پر حملہ کر کے تباہ و برباد کیا جہاں سے مولانا نے ہجرت کی تھی۔

حج و زیارت

بغداد سے بہاء الدین مکہ روانہ ہوئے اور حج کے بعد یہ قافلہ دمشق پہنچا۔یہاں شہر کے لوگوں نے بہت چاہا کہ مولانا بہاء الدین یہاں قیام فرمائیں مگر آپ رضامند نہ ہوئے اور شہر بہ شہر سفر کرتے ہوئے ملاطیہ پہنچے۔

آقشہر میں مولانا بہاء الدین کا چار سالہ قیام

ملاطیہ سے روانہ ہو کر سلطان العلماء مولانا بہاء الدینؒ آذربائیجان سے گزر رہے تھے۔سفر کے ساتھیوں نے چاہا کہ مولانا آذربائیجان میں قیام کریں۔مگر مولانا بہاء الدین نے شہر جانا پسند نہ کیا۔اس وقت شہر آذربائیجان کا بادشاہ فخر الدین تھا۔اس کی ملکہ عصمت خاتون نے جب سنا کہ سلطان العلماء مولانا بہاء الدینؒ شہر سے گذر رہے ہیں تو وہ خود مولانا کے تعاقب میں روانہ ہوئی اور آقشہر کے قریب آپ سے ملاقی ہوئی۔اس کے پیچھے پیچھے فخر الدین بھی پہنچ گیا۔دونوں میاں بیوی نے چاہا کہ آپ شہر میں چلیں۔مگر آپ راضی نہ ہوئے۔آپ اس وقت قصبۂ آقشہر جو آذربیجان کے پاس ہی واقع تھا رُکے ہوئے تھے۔بادشاہ اور ملکہ کے اصرار پر آپ نے یہ خواہش کی کہ آقشہر میں آپ کے لئے مدرسہ بنایا جائے۔آپ نے چار برس وہاں قیام فرمایا اور درس و تدریس میں وہاں مشغول ہو گئے۔

لارندہ میں مولانا بہاء الدینؒ کا سات سالہ قیام

جب آذربائیجان کے بادشاہ اور ملکہ کا انتقال ہو گیا تو سلطان العلماء بہاء الدین شہر لارندہ

میں تشریف لائے۔یہ جگہ شہر قونیہ کے قریب ہی تھی شہر قونیہ کے حکمران سلطان علاء الدین کے نائب نے آپ کا خیر مقدم کیا۔اس نے آپ کو اپنے مکان میں ٹھہرانا چاہا مگر سلطان العلماء نے منظور نہ فرمایا۔یہاں بھی آپ کے لئے مدرسہ تعمیر کیا گیا اور آپ نے یہاں تقریباً سات برس قیام کیا اسی دوران شہر لارندہ میں ایک بڑے معزز اور محترم شخص شہر سمرقند سے ہجرت کر کے وارد ہوئے۔یہ بزرگ خواجہ شرف الدینؒ سمرقندی کے نام سے مشہور تھے۔ان کی اہلیہ بھی ایک بڑی بزرگ اور دیندار خاتون تھی دونوں مہاجر بزرگوں کو اس مسافرت میں ہم وطن بننے کا لطف حاصل ہوا اور ان کے درمیان قریبی بھائی چارہ قائم ہوا جس نے ترقی کر کے باہمی رشتے میں تبدیل ہونے کی شکل اختیار کی۔خواجہ شرف الدین کو ایک لڑکی تھی جس کا نام گوہر خاتون تھا۔وہ ابھی چھوٹی عمر کی تھی کہ مولانا رومیؒ کے والد صاحب کی خواہش پر ان کے نکاح کی نسبت مولانا جلال الدینؒ سے کر دی اور کچھ وقت کے بعد لارندہ قصبہ میں ہی گوہر خاتون سے مولاناؒ کا نکاح ہو گیا۔اس وقت مولانا رومی کی عمر سترہ یا اٹھارہ برس کی تھی۔اسی گوہر خاتون کی پیٹ سے مولانا رومیؒ کے بیٹے سلطان ولد پیدا ہوئے اور اس کے بعد دوسرے فرزند علاء الدین بھی لارندہ ہی میں پیدا ہوئے۔

قونیہ شہر میں سلطان العلماء کا تشریف لے جانا

جس زمانہ میں سلطان العلماء مولانا بہاء الدین بغداد میں تشریف فرما تھے۔روم کے بادشاہ علاء الدین کیقباد کی طرف سے کچھ لوگ شہر بغداد میں آئے ہوئے تھے۔وہ آپ کی عظمت و شان کو دیکھ کر مرید ہو گئے تھے۔اور جب وہاں سے واپس روم آئے تو بادشاہ سے مولاناؒ کے سب حالات بیان کئے۔بادشاہ غائبانہ آپ کا معتقد ہو گیا اور اس آرزو میں رہتا تھا کہ اسے ظاہری طور پر بھی مولانا کی ملاقات نصیب ہو جائے جب اسے معلوم ہوا کہ میری ہی سلطنت کے ایک ماتحت حاکم امیر موسیٰ نے سلطان العلماء کو لارندہ میں روک رکھا ہے اور بادشاہ کو اطلاع تک نہیں کی ہے تو وہ بہت ناراض

ہوااورامیر کے نام ایک حکم بھیجا جس میں اس کو ڈانٹ کی ۔امیر بادشاہ کا فرمان دیکھ کر بہت پریشان ہوااور سلطان العلماء کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حالات عرض کئے ۔ کیونکہ سلطان العلماء نے ہی امیر موسیٰ بادشاہ کو اطلاع دینے سے روکا تھا۔جس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ شراب پیتا تھا اور چنگ سنتا تھا ۔اسی وجہ سے سلطان العلماء بادشاہ سے ملنا نہیں چاہتے تھے۔مولانا بہاء الدین کے حکم سے امیر موسیٰ فوراً ہی بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہوا اور کل حالات بیان کئے ۔بادشاہ نے سن کر وعدہ کیا کہ اگر سلطان العلماء ہمارے پاس اس شہر یعنی قونیہ میں تشریف لائیں اور یہاں مستقل قیام کریں تو میں آئندہ نہ شراب پیوں گا اور نہ چنگ سنوں گا ۔بادشاہ کے اس عزم کو دیکھ کر سلطان العلماء قونیہ کی طرف روانہ ہوئے بادشاہ نے خود استقبال کیا ۔اور نہایت ہی عاجزی اور انکساری سے پیش آیا ۔سلطان العلماء نے ایسا کرنے سے منع بھی کیا لیکن بادشاہ زیادہ ہی فروتنی اختیار کرتا گیا۔بادشاہ کی اس عقیدت کا اثر آپ کے دل پر ہوا اور پھر سلطان العلماء بھی کبھی کبھی بادشاہ کے پاس خود جایا کرتے تھے۔بادشاہ نے خواہش ظاہر کی کہ آپ بادشاہی محل میں ہی قیام فرمائیں مگر آپ نے اسے منظور نہ کیا اور مدرسہ التونیاں میں قیام فرمایا۔سلطان نے بہت نذرانے اور تحفے پیش کئے مگر مولانا نے کچھ بھی قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میرے پاس اتنا مال موجود ہے جو میرے لئے کافی ہے ۔لہٰذا مجھے حاجت نہیں ۔اسی دوران دو جوان آپ کے مرید ہوگئے آپ نے دونوں کو ہزار ہزار دینار دئے تاکہ درویشوں کے لئے ہمیشہ کھانے پینے کا سامان مہیا رکھیں بعد میں بادشاہ اور قونیہ شہر کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہوگئے ۔

مولانا رومیؒ کے والد صاحب یعنی سلطان العلماءؒ کا انتقال

دو برس اس شہر میں قیام کرنے کے بعد سلطان العلماء یعنی حضرت بہاء الدین نے انتقال فرمایا۔آپ کا سنہ انتقال ۶۲۸ھ ہے اس طرح بلخ کو ترک کرنے اور جدید وطن اختیار کرنے میں

تقریباً ۱۵ برس کا زمانہ گذرا۔اس تمام مدت میں مولانا رومیؒ اپنے والد صاحب کے ہمراہ رہے ۔اور علوم ظاہری و باطنی آپ سے حاصل کرتے رہے۔اسی دوران آپ کا نکاح بھی ہوا۔آپ کے اولاد بھی ہوئی۔۲۲ برس کی عمر میں آپ شہرِ قونیہ میں داخل ہوئے۔جو آئندہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا مسکن و مدفن بننے والا تھا۔

والد صاحب کی وفات کے بعد مولانا رومیؒ کی جانشینی

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ مولانا بہاء الدین کے انتقال کے بعد سلطان وقت اور علماء و اکابر کے اتفاق رائے سے آپ مولانا کے جانشین مقرر ہوئے اور آپ نے سلسلہ درس و تدریس اور تلقین و ارشاد کو بدستور جاری رکھا۔سید برہان الدین محقق ترمذیؒ جو آپ کے اتالیق رہ چکے تھے اور ترمذ کو چلے گئے تھے۔مولانا کے انتقال کے بعد قونیہ تشریف لائے۔مولانا آپ کے مرید ہوگئے اور اپنے والد کے بعد مراتب سلوک آپ ہی سے طے کئے۔۹ برس مولانا کی آپ سے صحبت رہی ۶۳۷ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔

مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کا سفر کرنا

۶۳۰ھ میں مزید علم حاصل کرنے کے لئے شام کا سفر کیا اور حلب میں وارد ہوئے۔حلب میں مولانا مدرسہ حلاویہ میں قیام پذیر ہوئے اور کمال الدین سے استفادہ کیا۔پھر حلب سے دمشق تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ مقدسیہ میں قیام فرمایا۔دمشق میں اس وقت عالموں کا بڑا مجمع تھا جہاں مولانا رومی کی صحبت شیخ محی الدین ابن عربیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، شیخ عثمان رومیؒ، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ، شیخ صدر الدین قونویؒ جیسے بڑے بڑے علماء سے رہا کرتی اور یہ سب حضرات آپس میں حقیقت و معرفت کی باتیں بیان فرماتے تھے۔یہ سب حضرات اپنے زمانے کی جانی پہچانی شخصیتیں تھیں اور علم کے پہاڑ تھے۔ ۶۳۴ھ یا ۶۳۵ھ میں آپ دمشق سے واپس آکر قونیہ میں

آ بسے ۶۳۷ھ میں آپ کے استاد سید برہان الدین کا انتقال ہوا۔ پھر پانچ سال تک آپ علماء ظاہر کے لباس میں رہے اور درس وتدریس میں مشغول رہے ۔۶۳۸ھ میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے انتقال کیا۔ وہ عالم اسلام میں ایک جانی پہچانی شخصیت کے مالک تھے۔ دمشق میں ان کے گرد جو بزم علم جمع تھی اس کے اکثر افراد قونیہ آگئے جن میں شیخ صدرالدین بھی تھے مشرق میں تاتاریوں کے فتنہ سے جو علماء وفضلاء پریشان ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی روم میں آ کر پناہ لی ان میں سے بھی اکثر علماء قونیہ میں ٹھہرے۔ اس طرح قونیہ کا یہ شہر عالموں کا شہر بن گیا اور ان سب میں مولانا رومؒ کا مقام سب سے اونچا تھا۔ ابھی تک مولانا علماء ظاہر کی طرح درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور فتویٰ نویسی میں زیادہ وقت صرف کرتے۔

مولاناؒ کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کرنے والا واقعہ

۶۴۲ھ تک مولانا رومیؒ کا یہی شغل رہا۔ اس کے بعد مولانا کی زندگی میں وہ واقعہ پیش آیا جس نے اس کی زندگی میں بڑا انقلاب لایا۔ اس وقت تک آپ صرف مولوی جلال الدینؒ قونوی تھے لیکن اس واقعہ نے آپ کو مولانائے روم بنادیا۔ یہ اہم واقعہ مولانا رومیؒ کے ساتھ شمس تبریزیؒ کی ملاقات تھی اس واقعہ نے آپ کی زندگی میں عظیم انقلاب لایا۔ خود فرماتے ہیں کہ ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(ترجمہ) مولوی جلال الدین قونوی ہرگز مولائے رومؒ نہ بنا جب تک شمس تبریزیؒ کا غلام نہ بنا۔

شمس تبریزؒ

سوانح مولانائے رومؒ میں مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس ملاقات کے متعلق چند واقعات لکھے ہیں جن کا خلاصہ اس طرح ہے:

پہلا واقعہ

ایک دن مولاناؒ گھر میں تشریف رکھے ہوئے تھے آس پاس شاگرد بیٹھے تھے۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اچانک ایک شخص شمس تبریزؒ نام کا کسی طرف سے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا رومیؒ سے کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ ''این چیست؟'' (کہ یہ کیا ہے؟) مولانا نے جواباً کہا کہ ''چیزیست کہ تو نمیدانی'' یعنی یہ وہ چیز ہے جسکو تم نہیں جانتے۔ اچانک تمام کتابوں میں آگ لگ گئی۔ مولانا نے شمسؒ سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا۔ شمسؒ نے جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ اتنا کہہ کر شمس تبریزی چل دئے۔ مولاناؒ کا یہ حال ہوا کہ گھر بار، مال اولاد سب چھوڑ چھاڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور ملک بہ ملک خاک چھانتے پھرے۔ لیکن شمس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ کہتے ہیں کہ مولانا کے مریدوں میں سے کسی نے شمس کو قتل کر ڈالا۔

دوسرا واقعہ

شمس تبریز کو ان کے پیر بابا کمال الدینؒ نے حکم دیا کہ روم جاؤ وہاں ایک دل جلا ہوا شخص ہے اس کو آتش عشق سے گرم کر کے آؤ۔ شمس پھرتے پھرتے قونیہ شہر میں پہنچے وہاں ایک مسافرخانے میں قیام کیا جہاں شکر بیچنے والوں کے قافلے ٹھہرتے۔ ایک دن مولانا رومؒ کی سواری بڑی شان وشوکت سے نکلی۔ شمسؒ نے راستے میں ٹوک کر پوچھا کہ مجاھدہ وریاضت (نفس کشی وپرہیزگاری) سے کیا مقصد ہے؟ مولانا نے جواب دیا اتباع شریعت۔ شمس نے کہا یہ بات تو سب جانتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے۔ شمس نے فرمایا کہ علم کے یہ معنیٰ ہیں کہ تم کو منزل تک پہنچادے۔

ملاقات کے متعلق علامہ اقبالؒ کا منظوم کلام

علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے منظوم فارسی کلام میں اس واقعہ کو خوبصورت پیرائے میں بیان کیا

ہے جو درج ذیل ہے۔

۱۔ اے کہ باشی در پئے کسبِ علوم ☆ با تو می گویم پیام پیر رومؒ

۲۔ علم را بر تن زنی مارے بود ☆ علم را بر دل زنی یارے بود

۳۔ آگہی از قصۂ اخوندِ روم ☆ آنکہ دادا اندر حلب درسِ علوم

۴۔ پائے در زنجیر توجیہاتِ عقل ☆ کشتیش طوفانیٔ "ظلمات" عقل

۵۔ موسیٰ بیگانہ سینائے عشق ☆ بے خبر از عشق و از سودائے عشق

۶۔ از تشکک گفت و از اشراق گفت ☆ وز حِکَم صد گوہرِ تابندہ سفت

۷۔ عقدہ ہائے قولِ مشائین کشود ☆ نورِ فکرش ہر خفی را وانمود

۸۔ گرد و پیش بود انبارِ کتب ☆ بر لبِ او شرحِ اسرارِ کتب

۹۔ پیرِ تبریزی ز ارشادِ کمال ☆ جُست راہِ مکتبِ مُلا جلال

۱۰۔ گفت ایں غوغا و قیل و قال چیست ☆ ایں قیاس و وہم و استدلال چیست

۱۱۔ مولوی فرمود نادان لب بہ بند ☆ بر مقالاتِ خردمندان مخند

۱۲۔ پائے خویش از مکتبم بیروں گزار ☆ قیل و قال است ایں ترا باوے چہ کار

۱۳۔ قالِ ما از فہمِ تو بالاتر است ☆ شیشۂ ادراک را روشن گر است

۱۴۔ سوزِ شمس از گفتۂ مُلا فزود ☆ آتشے از جانِ تبریزی کشود

۱۵۔ بر زمین برقِ نگاہِ او فتاد ☆ خاک از سوزِ دمِ اُو شعلہ ساز

۱۶۔ آتشِ دل خرمنِ ادراک سوخت ☆ دفترِ آں فلسفی را پاک سوخت

۱۷۔ مولوی بیگانہ از اعجازِ عشق ☆ ناشناسِ نغمہائے سازِ عشق

۱۸۔ گفت ایں آتش چساں افروختی ☆ دفترِ اربابِ حکمت سوختی

۱۹۔ گفت شیخ اے مسلمِ زنّاردار ☆ ذوق و حال است ایں ترا باوے چہ کار

۲۰۔ حالِ ما از فکرِ تو بالاتر است ☆ شعلۂ ما کیمیائے احمر است

۲۱۔ ساختی از برفِ حکمت ساز و برگ ☆ از سحابِ فکرِ تو بارد تگرگ

۲۲۔ آتش افروز از خاشاکِ خویش ☆ شعلۂ تعمیر کن از خاکِ خویش

۲۳۔ علمِ مسلم کامل از سوزِ دل است ☆ معنیٔ اسلام ترکِ آفل است

۲۴۔ چوں ز بندِ آفل ابراہیمؑ رست ☆ در میانِ شعلہ ہا نیکو نشست

(ترجمہ)

۱۔ اے وہ شخص جو علوم حاصل کرنے کی جستجو میں لگا ہوا ہے آ جا میں تم سے پیر رومؒ کا پیغام سناؤں۔

۲۔ علم کو اگر شکم پروری کی غرض سے حاصل کرو گے تو وبالِ جان اور حجاب اکبر بن جائے گا اور اگر اسی علم کو معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی نیت سے پڑھو گے تو رہنما اور رفیق زندگی بن جائے گا۔

۳۔ روم کے استاد (یعنی مولانا رومیؒ) کے قصہ سے واقفیت حاصل کر جس نے ملک شام کے ایک مشہور شہر حلب میں علوم کا درس دیا۔

۴۔ اس کے پاؤں عقلی علوم کی زنجیروں میں پھنسے ہوئے تھے اور اس کی کشتی عقل کے اندھیریوں کے طوفان میں پھنسی ہوئی تھی۔

۵۔ اس کی مثال اس موسیٰ کی طرح تھی جو عشق کے طورِ سینا سے بے خبر تھا اور اس شخص کی طرح تھی جو عشق اور عشق کی سرمستیوں سے بے خبر تھا۔

۶۔ وہ تشکک واشراق کے متعلق باتیں کرتا تھا (یہ قدیم فلسفہ یونان کے دو مکتب ہائے فکر تھے۔ خاص کر اشراق افلاطون کے فلسفہ کا نتیجہ ہے) مطلب یہ کہ مولانا ابھی عقلی علوم کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔

ے وہ ارسطو کے فلسفہ کی مشکل باتوں کو حل کر کے آسان انداز میں سمجھا تا تھا اور اس کی فکری صلاحیتیں ہر پوشیدہ بات کی عقدہ کشائی کرتی تھیں۔

۸۔ایک دفعہ اس کے اردگرد کتابوں کا انبار لگا ہوا تھا اور ان کتابوں کے کناروں پر ان کی شرح لکھی ہوئی تھی۔

۹۔اسی دوران شمس تبریزیؒ اپنے پیر یعنی کمال الدینؒ کے حکم سے مولانا جلال الدینِ رومیؒ کے مدرسہ میں ان کو تلاش کرتے ہوئے داخل ہو گئے۔

۱۰۔مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد شمس تبریزی نے مولانا رومؒ سے پوچھا کہ یہ قیل وقال کیا ہے۔اور یہ قیاس و وہم اور استدلال کیا ہے۔

۱۱۔مولانا رومؒ نے فرمایا ارے نادان اپنے ہونٹوں کو بند کر۔دانا لوگوں کے ارشادات پر مذاق مت کر۔

۱۲۔ اپنے پاؤں میرے مکتبے سے باہر نکال اگر یہ قیل وقال ہی ہے تجھے اس کے ساتھ کیا غرض ہے۔

۱۳۔ ہماری باتیں تمھاری فہم سے بالاتر ہیں اور ان سے عقل وفہم کا آئینہ زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ شمس تبریزیؒ کا سوزِ عشق مولویؒ کے اس قسم کے کلمات فرمانے پر بہت بڑھ گیا تو اس سوز نے شمس تبریزیؒ کے جان سے آگ بھڑکائی۔

۱۵۔ اس کی نظر کی بجلی زمین پر گر پڑی اور اس کے سوزِ دم کی وجہ سے مٹی سے آگ کے شعلے اٹھنے لگے۔

۱۶۔دل کی آگ نے عقل وفہم کے انبار کو جلا ڈالا۔اور اس پاک نفس کی کتابوں کے دفتر کو جلا ڈالا۔

۱۷۔مولانا روم عشق کے معجزے سے اس وقت تک بے خبر تھے اور سازِ عشق کے نغموں سے بے بہرہ تھے۔

۱۸۔اس نے شمس تبریزی سے پوچھا کہ تم نے یہ آگ کیسے بڑھکائی جس کی وجہ سے اربابِ حکمت کے دفتر کو جلا ڈالا۔

۱۹۔اس نے جواباً کہا کہ اے زنار لٹکائے ہوئے مسلمان یعنی کچے قسم کے مسلمان یہ ذوق وحال کی باتیں ہیں تمہیں ان کے ساتھ کیا واسطہ۔

۲۰۔ہمارا حال تمہاری فکر وسوچ سے بالاتر ہے۔ہمارے عشق کے شعلے کیمیائے احمر ہیں (یہ ایک قسم کا گندھک ہوتا ہے جو نایاب ہے اور جس کے متعلق خیال ہے کہ اس سے تانبے کو سونا بن جاتا ہے)

۲۱۔ تم نے حکمت ودانائی کے برف سے اپنا ساز وسامان تیار کیا ہے لیکن تمھاری فکر کے بادلوں سے اولے برستے ہیں۔

۲۲۔اپنی خس وخاشاک سے آگ روشن کر۔اپنی مٹی سے شعلے تعمیر کر۔مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کی دنیا میں اتر کر معرفت کی منزلیں طے کر۔

۲۳۔ مسلمان کا علم سوز دل سے کامل بن جاتا ہے۔اسلام کے اصل معنیٰ یہی ہیں کہ وہ زوال پزیر اشیاء کا ترک کرنے والا ہوتا ہے۔

۲۴۔ جب حضرت ابراہیمؑ غروب اور زوال پزیر ہونے والی اشیاء سے آزاد ہوا پھر وہ آگ کے انگاروں میں بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

ملاقات کے متعلق مولانا شبلی نعمانیؒ کی تحقیق

شمس تبریزیؒ اور مولانا کی ملاقات کو مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے پیش کیا ہے لیکن مولانا شبلی نعمانیؒ نے سپہ سالار کے بیان کردہ واقعہ کو زیادہ قرینِ عقل قرار دیا ہے۔سپہ سالار مولانا رومیؒ کا ایک خاص شاگرد تھا۔چالیس برس تک مولانا کی صحبت میں رہا۔مولانا شبلیؒ نے اس واقعہ کو شمس تبریزیؒ کے حالات زندگی کے ساتھ اس طرح درج کیا ہے۔

"شمس تبریزی کے والد کا نام علاء الدین تھا۔وہ "کیا بزرگ" کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسماعیلیہ کا امام تھا۔لیکن انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔شمس نے تبریز میں علم ظاہری کی تحصیل کی، پھر بابا کمال الدین جندی کے مرید ہوئے۔لیکن تمام صوفیوں کی طرح پیری مریدی اور بیعت وارادت کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔سوداگروں کے وضع میں شہروں کی سیاحت

کرتے رہتے۔ جہاں جاتے کاروان سرا میں اترتے اور حجرے کا دروازہ بند کر کے مراقبہ میں مصروف ہوتے۔ معاش کا طریقہ یہ رکھا تھا کہ کبھی کبھی ازار بند بُن لیتے اور اسی کو بیچ کر کفاف مہیا کرتے ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ الٰہی! کوئی ایسا بندہ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہوسکتا۔ عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم جاؤ۔ اسی وقت چل کھڑے ہوئے۔ قونیہ پہنچے تو رات کا وقت تھا، برنج فروشوں کی سرائے میں اترے۔ سرائے کے دروازہ پر ایک بلند چبوترہ تھا ، اکثر امراء اور عمائد تفریح کے لئے وہاں آبیٹھتے تھے، شمس بھی اسی چبوترہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ مولانا کو ان کے آنے کا حال معلوم ہوا تو ان کی ملاقات کو چلے۔ راہ میں لوگ قدم بوس ہوتے جاتے تھے۔ اسی شان سے سرائے کے دروازہ پر پہنچے۔ شمس نے سمجھا کہ یہی شخص ہے جس کی نسبت بشارت ہوئی ہے دونوں بزرگوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دیر تک زبان حال میں باتیں ہوتی رہیں۔ شمس نے مولانا سے پوچھا کہ حضرت بایزیدؒ بسطامی کے ان واقعات میں کیونکر تطبیق ہوسکتی ہے۔ کہ ایک طرف تو یہ حال تھا کہ تمام عمر اس خیال سے خربزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کو کس طرح کھایا ہے؟ دوسری طرف اپنی نسبت یوں فرماتے تھے کہ **سبحانی ما اعظم شانی** (اللہ اکبر! میری شان کس قدر بڑی ہے) حالانکہ رسول اللہ ﷺ بااین جلالت فرمایا کرتے تھے کہ میں دن بھر میں ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں ، مولانا نے فرمایا کہ بایزید اگر چہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ تھے لیکن مقامات ولایت میں وہ ایک خاص درجہ پر ٹھہر گئے تھے۔ اور اس درجہ کی عظمت کے اثر سے انکی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے۔ بخلاف اس کے جناب رسول اللہ ﷺ منازل تقرب میں، برابر ایک پایہ سے دوسرے پایہ چڑھتے جاتے تھے۔ اس لئے جب بلند پایہ پر پہونچتے تھے تو پہلا پایہ اس قدر پست نظر آتا تھا کہ اس سے استغفار کرتے تھے“۔

یہ تقریباً ۶۴۲ھ کا واقعہ ہے۔ لہٰذا اسی سال سے مولانا نے فقر کی مسند نشینی اختیار کی۔ چھ مہینے

تک دونوں بزرگ صلاح الدینؒ زرکوب کے حجرہ میں چلہ کش رہے۔ مولانا رومیؒ نے درس و تدریس اور وعظ و پند کو چھوڑ دیا۔ شمس کی خدمت سے دم بھر کو جدا نہیں ہوتے تھے۔ شہر میں شور اٹھا۔ لوگ رنجیدہ ہو گئے۔ کہ ایک نا معلوم شخص نے مولانا پر کیسا جادو کیا۔ کہ وہ کسی کام کے نہیں رہے شمس ناراض ہو کر چلے اور اپنے وطن تبریز پہونچے۔ مولانا نے خود جا کر شمس کو پھر لایا۔

مولانا رومؒ کی تعلیمات کا خلاصہ

مولانا قاضی سجاد حسین صاحب دفتر اول کے مُقدَّمَہ میں تحریر فرماتے ہیں ”کہ ایران کی چار کتابوں کو جس قدر شہرت حاصل ہوئی وہ ایرانی کتب میں سے کسی کو حاصل نہ ہوسکی۔ شاہ نامہ فردوسی، گلستانِ سعدی، دیوانِ حافظ، مثنوی مولانا رومؒ۔ ان میں سے بھی مثنوی کو جو قبول عام حاصل ہوا بقیّہ تین کتابوں کو حاصل نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ افاضل علماء نے جس قدر مثنوی کی طرف توجّہ کی اور کسی کتاب کی طرف نہ کی۔ اس مثنوی کی بڑی بڑی ضخیم شرحیں لکھی گئیں کشف الظنون میں جن کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ مولانا شبلی نے اپنی کتاب سوانح مولانا روم میں محمد افضل الہ آبادی، ولی محمد، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم اور محمد رضا کی شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۳۴۴ھ میں مرزا محمد نذیر صاحب عرشی نے مفتاح العلوم کے نام سے ایک ضخیم شرح سترہ (۱۷) جلدوں میں تحریر فرمائی اور اس سے پہلے مولانا احمد حسین کانپوری کی شرح بصورت حواشی شائع ہوئی اور کلید مثنوی کے نام سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کئی دفتروں کی شرح شائع ہوچکی ہے۔ نیز مراۃ المثنوی از جناب تلمذ حسین صاحب اور تشبیہات رومی اور حکمتِ رومی از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بھی قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں“۔

مولانا رومیؒ کی کتاب کو سمجھنے کے لئے اگر چہ ہمارا یہ چھوٹا سا رسالہ متحمل نہیں کیونکہ اس کے لئے مختلف عنوانات طے کرنے ہونگے اور ان عنوانات کے تحت ایک مربوط طریقے سے ان

موتیوں کو الگ الگ سمیٹنا ہوگا جو مولانا رومیؒ نے ۲۷ ہزار اشعار میں بکھیرے ہیں۔ اگر اللہ نے زندگی بخشی تو راہِ نجات کے کسی شمارہ میں اپنی بساط کے موافق ان موتیوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ لیکن احقر کے نزدیک مولانا نے جن بنیادی باتوں پر مثنوی میں روشنی ڈالی ہے اور جن کی طرف متوجہ کیا ہے ان کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

انسان اور جنات کی پیدائش کا مقصد

انسان اور جنات کی پیدائش کا مقصد قرآن اور حدیث کی روشنی میں مولانا رومیؒ یوں سمجھاتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است ☆ قصد من از خلق احسان بودہ است

آفریدم تا زِ من سُودے کُنند ☆ تا زِ شہدم دست آلودے کُنند

نے برائے آنکہ تا سُودے کُنم ☆ وز برہنہ را قبائے بَر کَنم

(ترجمہ)

۱۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے فرمایا ہے پیدا کرنے سے میرا مقصود احسان کرنا ہے۔

۲۔ میں نے پیدا کیا ہے تا کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائیں اور تا کہ میرے شہد سے ہاتھ آلودہ کریں۔

۳۔ نہ اس لئے کہ میں (اُن سے) فائدہ اٹھاؤں اور ننگے کی میں قبا اُتار دوں مطلب یہ کہ دنیا کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ننگے سے کوئی چادر کیسے چھین سکتا ہے۔ مخلوق جبکہ خود محتاج ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف ہے ''کُنتُ کَنزاً مخفیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَف فَخَلَقتُ الخَلقَ'' (ترجمہ) میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

من نہ کردم امر تا سُودے کُنم ☆ بلکہ تا بر بندگاں جُودے کُنم

(ترجمہ)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے حکم اس لئے نہیں دیا کہ کوئی فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لئے کہ بندوں پر بخشش کروں مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی میں اللہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ بندے پابندی کر کے رحم وکرم کے مستحق ہوتے ہیں۔

جنت کے ساتھ جہنم پیدا کرنے کی حکمت

انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کو احسان کرنا ہی تھا تو سب بندوں کو جنت عطا کرنے میں کیوں روک لگا دی۔ کچھ لوگوں کو جہنم رسید کرنے میں کیا حکمت ہے سبھوں کو ھدایت سے کیوں نہیں نوازا گیا۔ مولانا اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ

کردہ نقاشے دو گونہ نقشہا ☆ نقشہائے صاف ونقشِ بے صفا

نقش یوسف کرد وحورِ خوش سرِشت ☆ نقشِ عِفریتاں وابلیسانِ زِشت

بر دو گونہ نقش اُستادیِ اوست ☆ زِشتیِ اُونیست آں رادیِّ اُوست

خوب را در غایتِ خوبی کُشد ☆ حسنِ عالَم چاشنی از وے چشَد

زِشت را در غایتِ زشتی کُند ☆ جُملہ زشتی ہا بگردش بر تَند

تا کمالِ دانشش پیدا شود ☆ مُنکرِ اُستادیش رُسوا شود

ورنہ تاند زشت کردن ناقص است ☆ زیں سبب خلاقِ گبر ومُخلص است

(ترجمہ)

۱۔ ایک نقاش نے دو قسم کے نقش بنائے اچھے نقش اور برے نقش۔

۲۔ حضرت یوسفؑ کا اور خوبصورت حوروں کا نقش بنایا۔ بھوتوں اور شیطانوں کا برا نقش بنایا۔

۳۔ دونوں قسم کے نقش اس کی مہارت کی دلیل ہے یہ اس کی برائی نہیں ہے اس کی دانائی ہے۔ مطلب

یہ کہ یوسفؑ کا نقش حسین ترین ہے اور بھوت وشیطان کا نقش بھیانک ہے۔ حسین نقش اور بھیانک نقش اگر مکمل ہیں تو نقاش کے کمال پر دالّ (دلالت کرنے والے) ہیں۔

۴ خوب صورت کو انتہائی خوبصورتی سے بناتا ہے دنیا کے حواس اس سے لطف اُٹھاتے ہیں مطلب یہ کہ حسین نقش سے ہر ہر انسان لطف اندوز ہوتا ہے۔

۵ بدصورت کو انتہائی بدصورت بناتا ہے تمام بدصورتیاں اس پر مَڑھ دیتا ہے۔

۶ تاکہ اس کی دانش کا کمال ظاہر ہو جائے۔ اس کی استادی کا منکر رسوا ہو جائے۔ مطلب یہ کہ حسین نقش کو حسین ترین بنانا مصور کا کمال ہے اور بھیانک نقش کو انتہائی بھیانک بنانا بھی نقاش کا کمال ہے۔

۷ اگر وہ بدصورت کو نہ پیدا کر سکے تو ناقص ہے۔ اسی لئے وہ کافر اور مومن کا پیدا کرنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ بدصورت بنانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو یہ اس کے ناقص ہونے کی دلیل ہوگی اور وہ ہر طرح کے نقصان سے پاک ہے لہٰذا اسکو مومن اور کافر دونوں کا خلاّق ماننا ہوگا۔

جہنم اور جہنمیوں کو پیدا کرنا اللہ کا نقص نہیں ہے

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

زشتیِ خط زشتیِ نقّاش نیست ☆ بلکہ از وے زشت را بنمودنیست

قوّتِ نقّاش باشد آنکہ او ☆ ہم تواند زِشت کردن ہم نِکو

(ترجمہ)

خط کا بھدّا پن نقاش کی برائی نہیں ہے بلکہ اس کی جانب سے بدھے پن کی نمائش ہے۔ مطلب یہ کہ کفر بری چیز ہے اس پر رضامندی کفر ہے لیکن قضائے کفر اور خلق کفر اللہ کے اعتبار سے صفت کمال ہے اس پر راضی ہونا کفر نہیں ہے بلکہ عین ایمان ہے جیسا کہ ایک خوش نویس ایک

بھدی تحریر پر قادر ہو یا ایک مصوّر بھیانک تصویر کے بنانے پر بھی قادر ہو تو وہ بھدی تحریر اور بھیانک تصویر بری چیز ہے لیکن اس کا لکھنا اور بنانا خوش نویس اور مصور کا کمال ہے

دنیا میں لا کر انسان کو آزمانے میں کیا حکمت ہے؟

اگر اللہ کے علم میں ثابت ہے کہ جنتی کون ہے اور جہنمی کون ہے۔ تو پھر دنیا کے اندر لا کر آزمانے میں کیا حکمت ہے۔ مولانا اس کا جواب یہ دیتے ہیں ؎

آں خدارا می رسد گو امتحان ☆ پیش آرد ہر دَمے با بندگاں

تا بما ما را نماید آشکار ☆ کہ چہ داریم از عقیدہ در سِرار

(ترجمہ)

۱ یہ خدا کو حق ہے کہ وہ آزمائے۔ ہر وقت بندوں کو یعنی آزمانے کا حق خدا کو ہے تاکہ وہ بندوں کو یہ دکھا دے کہ تمھارا عقیدہ دراصل کیا ہے۔ حضرت آدمؑ نے جب غلطی کی تو یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تو اے خدا تیرے حلمِ کو آزمانے کے لئے غلطی کی ہے۔

۲ تاکہ ہمیں اپنے آپ کو نمایاں کر کے دکھا دے کہ ہم مخفی کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دنیا کے اندر آزمانے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ انسان کو کل قیامت کے دن اس کے سامنے آشکارا کر دے کہ تو باطن میں کیسا عقیدہ رکھتا تھا۔ دنیا کے تمام انسانوں کو ایک جیسی صورت حال میں رکھ کر اپنے نبیوں کے ذریعے دین کی فہمائش کرواتا ہے۔ اور اس مالک کی رضامندی حاصل کرنے کے طریقے بتلاتا ہے لیکن پھر بھی کچھ سر پھرے لوگ پیغمبروں کی صاف و شفاف تعلیم کو ٹھکرا کر اہل حق لوگوں کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتے ہیں جس کے لئے ان کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہوتی ہے اس طرح اپنے اعمال نامہ کو برباد کرتے ہیں۔ کل قیامت کے دن ایسے ہی لوگوں کو اللہ فرمائے گا اقراء کتابک و کفیٰ بنفسک حسیباً یعنی پڑھ تو

اپنا نامۂ اعمال اور تو اپنا حسیب (حساب لگانے والا) خود ہی بن جا۔ چار و ناچار ایک باغی بندے کو اپنے سیاہ کرتوتوں کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور اپنے مستحق سزا ہونے کا فیصلہ تسلیم کرنا پڑے گا۔

حواس باطنی

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کو جو ظاہری پانچ حواس عطا کئے گئے ہیں ان کے علاوہ اور بھی پانچ حواس ہیں جن کی وجہ سے بنی آدم کو قرآن کریم میں مکرم قرار دیا گیا۔ ظاہری پانچ حواس یہ ہیں:

۱ذائقہ:۔مزہ چکھنے کی قوت جو زبان میں ہے۔

۲باصرہ:۔دیکھنے کی قوت۔

۳شامہ:۔بُوسونگھنے کی قوت

۴لامسہ:۔ایک قوت ہے جسم انسان کی جلد میں جس کے سبب سے وہ ہر شئے کی سختی، نرمی، گرمی وسردی چھونے سے معلوم کر لیتا ہے۔

۵سامعہ:۔کان میں جو قوت سننے کی ہے۔

باطنی پانچ حواس لُغات کشوری میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

۱حس مشترک:۔ایک قوت ہے جس میں تمام صورتیں محسوسات کی بوسیلہ حواس خمسہ ظاہری منقش ہوتی ہیں۔ مقام حسِ مشترک کا جوفِ پیشانی میں ہے۔

۲خیال:۔وہ صورت جو بیداری میں تصور کرے یا خواب میں دیکھے اور وہ صورت جو پانی اور آئینہ میں دکھائی دے۔

۳متصرفہ:۔تصرف کرنے والی قوت۔

۴واہمہ:۔قوت وہم کی جو جزئیات کو معلوم کرے۔ واضح ہو کہ قوت واہمہ کا یہ کام ہے کہ دیکھی اور بغیر دیکھی ہوئی چیزوں کا خواہ سچ ہوں یا جھوٹ خیال کرے اور یہ قوت تابع

عقل کی نہیں ہے۔ برخلاف دوسری قوتوں کے۔ مثلاً کوئی شخص اندھیرے مکان میں مردہ کے پاس ہو ہر چند عقل کہے گی کہ مردہ جماد ہے اس سے خوف نہ کرنا چاہئے مگر قوت واہمہ ضرور خوف دلائے گی۔

۵حافظہ:۔قوت یاد رکھنے کی

ظاہری حواس انسان اور حیوان دونوں میں پائے جاتے ہیں مزا چکھنے، دیکھنے، بوسونگھنے، چھونے، سننے کی طاقت انسان اور حیوان دونوں میں پائی جاتی ہے لیکن حواس باطنی انسان کو عطا ہوئے ہیں اگر انسان ان حواس کی آبیاری کرے تو وہ خدا کا محبوب بن سکتا ہے۔ مولانا رومیؒ اپنی مشہور کتاب مثنوی میں فرماتے ہیں کہ انسان کا سارا مسئلہ ظاہری حواس سے حل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ تو انسان اور حیوان دونوں میں پائے جاتے ہیں۔ ظاہری حواس کی مثال دنیاوی سیڑھی کی طرح ہے جو صرف اسی دنیا میں تو کام آسکتی ہے لیکن یہ سیڑھی انسان کو آسمان تک نہیں پہنچا سکتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

حسِّ دنیا نردبانِ ایں جہاں ☆ حسِّ عقبیٰ نردبانِ آسماں
صحّتِ ایں حس بجوئید از طبیب ☆ صحّت آں حس بجوئید از حبیب
صحّتِ ایں حس زِ معموریٔ تن ☆ صحّتِ آں حس زِ تخریبِ بدن
شاہِ جاں مرجسم را ویراں کند ☆ بعدِ ویرانیش آباداں کند
اے خُنک جانیکہ در عشق مآل ☆ بذل کرد اُو خانماں و مُلک و مال
کرد ویراں خانہ بہرِ گنجِ زر ☆ وز ہماں گنجش کند معمور تر
آب رابُرید و جُو را پاک کرد ☆ بعد ازاں درجُو رواں کرد آبخورد
پوست رابشگافت پیکاں را کشید ☆ پوست نو بعد ازانش بردمید

قلعہ ویراں کردواز کافر بستد ☆ بعدازاں برساختش صد بُرج وسد

(ترجمہ)

۱۔ دنیا کا احساس یعنی ظاہری حواس اس جہاں کی سیڑھی ہے اور آخرت کا احساس یعنی باطنی حواس آسمان کی سیڑھی ہے۔

۲۔ اس حس کی تندرستی طبیب سے معلوم کرو اور اُس حس کی تندرستی محبوب سے معلوم کرو۔

۳۔ اس حس کی تندرستی بدن کی تندرستی سے ہے اور اُس حس کی تندرستی بدن کی شکستگی سے ہے۔

۴۔ روح کا بادشاہ جسم کو ویران کرتا ہے۔ اور اس کی ویرانی کے بعد اس کو آباد کرتا ہے۔

۵۔ بڑی مبارک ہے وہ جان جس نے عاقبت کی فکر میں اپنا گھر بار اور ملک و مال خرچ کر ڈالا۔

۶۔ سونے کے خزانہ کے لئے اس نے اپنے گھر کو ویران کیا اور اسی خزانہ سے پھر اس کو بہت زیادہ آباد کر دیتا ہے۔

۷۔ اس نے پانی کو بند کیا اور نہر کو پاک کیا۔ پھر اس نے نہر میں پینے کا پانی چھوڑ دیا ہے

۸۔ کھال میں شگاف کیا، تیر کو کھینچا۔ اس کے بعد نئی کھال اس سے پیدا ہو گئی۔

۹۔ اس نے قلعہ کو ویران کیا اور کافر سے چھینتا ہے۔ اس کے بعد اس پر سینکڑوں برج اور فصیلیں بنائی ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار کا خلاصہ

ظاہری اور باطنی حواس کا موازنہ کرتے ہوئے مولانا رومیؒ نے چند مثالیں دی ہیں۔ جن میں سے ایک مثال یہ دی ہے کہ جس طرح ایک عام اور دنیاوی سیڑھی کے ذریعے آسمان پر نہیں چڑھا جا سکتا اسی طرح ان ظاہری حواس سے ہی ہم اسرار دین سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اور اسی طرح اگر ظاہری پانچ حواس خراب ہو جائیں تو اس کا علاج کسی دنیاوی طبیب (یعنی ڈاکٹر) کے پاس ہو سکتا

ہے۔ لیکن اگر ہم عالم آخرت کے لئے درکار حواس کا علاج کروانا چاہتے ہیں تو وہ صرف اللہ کے کسی محبوب بندے یعنی مرشد یا پیر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح اگر ہم ظاہری حواس کی ترقی چاہتے ہیں یعنی آنکھوں کا دیکھنا یا کانوں کا سننا وغیرہ تو اس کا علاج یہ ہے کہ بدن کو خوب تندرست بناو، مرغن اور اچھی غذائیں کھاؤ لیکن باطنی حواس کی ترقی کے لئے کم کھانا، کم پینا اور کم بولنا ضروری ہے۔ آگے چند مثالوں کے ذریعے مولانا سمجھاتے ہیں کہ روحانی ترقی کا طالب جسم کو پہلے ویران کرتا ہے۔ اور اس ویرانی کے بعد پھر اس کو پائیدار طریقے سے آباد کرتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کا انسان مبارکبادی کا مستحق ہے جو آخرت کی فکر میں دنیا کو لات مار کر ملک و مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ ایک مثال کے ذریعے مولانا سمجھاتے ہیں کہ مثلاً ایک آدمی کے مکان کے نیچے سونے کا خزانہ ہے۔ اس خزانہ کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مکان کو مسمار کیا جائے پھر جب خزانہ حاصل ہو جائے گا اسی سے اس گھر کو زیادہ پر رونق بنایا جا سکتا ہے۔ اگر پانی کی کسی نہر میں گندہ مواد جمع ہوا ہے اس کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے پانی کو پیچھے سے بند کرنا ہے تا کہ نہر کو صاف کیا جائے اور صفائی کے بعد دوبارہ اس میں پانی کو رواں کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے نہر کی بدبو وغیرہ کو دور کیا جا سکتا ہے اور صاف پانی فراہم ہوگا۔ اسی طرح اگر انسان کی کھال میں تیر لگ جائے اور کھال خراب ہو جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ تیر کو نکالا جائے اگرچہ اس سے مزید کھال بھی خراب ہو جائے لیکن پھر جب تیر نکلے گا تو کھال پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے گی۔ اگر دشمن کافر ہوگا اور وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے کسی قلعہ میں پناہ حاصل کرے گا پہلے اس کافر سے وہ قلعہ چھیننا ہے چاہئے وہ قلعہ پہلے ویران ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن پھر آہستہ آہستہ اس پر سینکڑوں برج (گُنبد) اور فصیلیں بنائی جا سکتی ہیں۔

ایک دوسری جگہ مولانا فرماتے ہیں:

گر بدیدے حسِّ حیوان شاہ را☆ پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

گر نبودے حسِّ دیگر مر ترا☆ جُز حسِّ حیوان بیروں از ہوا

پس بنی آدم مکرّم کے بُدے☆ کے بہ حسِّ مشترک محرم شدے

(ترجمہ)

۱۔ اگر حیوانی حس شاہ کو دیکھ سکتی تو گاؤ اور خر (بھی) اللہ کو دیکھ لیتے۔

۲۔ اگر دوسری حس تیرے لئے مخصوص نہ ہوتی۔ حیوانی حس کے علاوہ خواہشِ نفسانی سے بالاتر۔

۳۔ تو بنی آدم مکرّم کب ہوتے؟ مشترک حس کی وجہ سے محرمِ (راز) کب ہوتے۔

(خلاصہ)

اللہ کے دیدار سے صرف انسان ہی مستفید ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ کو معراج میں اللہ کا دیدار نصیب ہوا اور آخرت میں ہر مومن کو اپنے رب کی زیارت نصیب ہو جائے گی۔ مولانا فرماتے ہیں اگر ظاہری حواس پر ہی سارا دارو مدار ہوتا تو گائے اور گدھا بھی اللہ کو دیکھ لیتے۔ اگر انسان کو ظاہری حواس کے علاوہ باطنی حواس عطا نہ ہوئے ہوتے تو اللہ قرآن میں یہ نہ فرماتا لقد کرّمنا بنی آدم ''اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی''۔ ان باطنی حواس کو ترقی دینے کے لئے مولانا رومیؒ نے مثنوی شریف میں اس بات پر زور دیا ہے کہ انسان اپنا تعلق اللہ کے کسی پیارے بندے کے ساتھ جوڑے جو اس کو اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے رہبری کرے۔ تنہا اس راستے کا طے کرنا بہت مشکل ہے اور بسا اوقات ناممکن۔

باطنی حواس کے متعلق ایک ضروری وضاحت

صحیح رہبری اور مجاہدات سے محسوسات مشاہدات میں، خیال اعتماد میں، وہم یقین میں

تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شیخ کامل حواسِ متصرفہ اور حافظہ کی صحیح تربیت کر کے سالک کے لئے طریقت کے منازل طے کرنے میں ممد و معاون بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے اپنے ان دو مصرعوں میں اس ساری بحث کو سمیٹا ہے ؎

اگر کوئی شعیب آئے میسر   شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

لہٰذا اعتدال کی راہ یہ ہے کہ ہم پیر پرست نہ بن جائیں بلکہ پیر پسند بن جائیں۔ رومیؒ کا اپنا شعر ہے

کہ من نہ جویم زیں سپس راہِ اسیر   پیر جویم پیر جویم پیر پیر

اِتباعِ شیخ

مولانا رومیؒ کا یہ خیال تھا کہ بغیر مددِ شیخ کوئی شخص کسی درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ ایک روز اسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایک درویش بغیر تلقین شیخ کے ذکر میں مشغول رہتا اور نہایت کوشش و سعی کرتا تھا۔ ایک شب دیکھا کہ اس کے منہ سے نور نکلتا ہے اور زمین پر گر کر رہ جاتا ہے۔ سخت حیران ہوا اور ایک شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، شیخ نے کہا جو ذکر بلا تلقینِ شیخ کے ہوتا ہے۔ اس کا یہی حال ہے۔ شیخ نے اس سے تلقین کی۔ اس کے بعد اس شخص نے مشاہدہ کیا کہ نور اس کے منہ سے نکل کر آسمان کی طرف بلند ہوتا ہے پس معلوم رہنا چاہئے کہ بغیر شیخ کے کوئی تربیت ٹھیک نہیں ہوتی۔

طلبِ پیر

شیخ یا پیر کی طلب کیوں ضرری ہے؟ اس کے متعلق صوفیائے کرام کے نظریہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح ظاہری پرورش حاصل کرنے کے لئے ایک شیر خوار بچہ کو ہر قدم پر اپنے والدین کے مدد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بے تربیت آدمی بھی راہِ طریقت ہی میں نہیں بلکہ راہِ شریعت میں بھی ایک استاد یا راہبر کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ شریعت کے ظاہری الفاظ کو سمجھنے سے ہی انسان ساری منزلیں طے نہیں کر سکتا ہے بلکہ ان کے مغز تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کسی

واقف کار شیخ یا مرشد کی ضرورت بھی ہے اور اس راستے کے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کاملین کا تجربہ ہے کہ۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق

عمر بگذشت و نہ شد آگاہِ عشق (رومیؒ)

(ترجمہ) بغیر ساتھی یعنی رہبر کے جو بھی اس عشق کی راہ میں چلا۔ عمر گذرنے کے باوجود بھی وہ عشق سے آگاہ نہ ہوسکا۔ مولانا رومیؒ کا بھی اس باب میں یہی نظریہ ہے جس کا اندازہ درج ذیل اشعار سے ہوسکتا ہے

۱ سایۂ یزداں بُود بندہ خدا ☆ مُردۂ ایں عالم و زندہ خدا

۲ دامنِ اُو گیر زُوتر بے گماں ☆ تا رہی از آفتِ آخر زماں

۳ کَیْفَ مَدَّ الظِّل نقش اولیاست ☆ کو دلیل نورِ خورشیدِ خدا ست

۴ اندریں وادی مرو بے ایں دلیل ☆ لا اُحب الاٰفلین گو چوں خلیل

۵ رَو زِ سایہ آفتابے را بیاب ☆ دامنِ شہ شمس تبریزی بتاب

۶ یک زمانہ صحبتے با اولیاء ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

۷ گر تو سنگِ خارۂ و مرمر شوی ☆ چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی

۸ ہیں غذائے دل بدہ از ہمدلے ☆ رو بجو اقبال را از مقبلے

۹ دست زن در ذیل صاحب دولتے ☆ تا زِ افضالش بیابی رفعتے

۱۰ صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالح ترا طالح کند

۱۱ اولیاء راہست قدرت از الٰہ ☆ تیر جستہ باز آرندش زِ راہ

۱۲ امر حق را باز داں از واصلے ☆ امر حق را در نیابد ہر دلے

۱۳ پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ☆ ہست بس پر آفت و خوف و خطر

۱۴ دست گیرد بندۂ خاص الٰہ ☆ طالباں را می برد تا پیشگاہ

۱۵ تو برو در سایۂ عاقل گریز ☆ تا رہی زاں دشمنِ پنہاں ستیز

۱۶ چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ☆ ہمچو موسیٰؑ زیر حکم خضرؑ رو

۱۷ صبر کن بر کار خضرؑ اے نفاق ☆ تا نہ گوید خضر رو ھٰذا فراق

۱۸ گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن ☆ گرچہ طفلے را کُشد تو مُومکن

۱۹ دست او را حق چو دستِ خویش خواند ☆ تا یَدُ اللّٰہِ فوقَ اَیْدِیْھِم براند

۲۰ یار باید راہ را تنہا مَرَو ☆ از سرِ خود اندریں صحرا مشو

۲۱ ہر کہ تنہا نادِر ایں رِہ را بُرید ☆ ہم بعونِ ہمّتِ مَرداں رسید

۲۲ دست پیر از غائباں کوتاہ نیست ☆ دست او جز قبضۂ اللہ نیست

۲۳ گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش ☆ چوں نبی باشد میانِ قوم خویش

(ترجمہ)

۱ خدا کا بندہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا کا مُردہ اور خدا کا زندہ ہوتا ہے۔ (بندہ خدا سے مراد خدا کا خاص بندہ ہے)

۲ اس کا دامن شک وشبہ کے بغیر جلد تھام لے۔ تا کہ آخرت کی مصیبت سے تو چھوٹ جائے۔

۳ ''کَیْفَ مَدّ الظِّل'' اولیاء کا وجود ہے جو اللہ کے آفتاب کے نور کے راہنما ہے۔

(تشریح) ''کیف مد الظل'' قرآنی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ کیا تم اپنے رب کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس نے کس طرح سایہ کو دراز کیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس سایہ سے اولیاء اللہ کے وجود کی طرف اشارہ ہے۔

۴؎اس وادی میں بغیر راہنما کے نہ چل۔خلیل اللہ کی طرح کہہ دے میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں۔

(تشریح) حضرت ابراہیمؑ نے ستارے کی الوہیت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا تھا میں چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔مراد دنیائے ناپائیدار کے تعلقات ہیں۔

۵؎ جا،سایہ کے ذریعہ آفتاب کو حاصل کرلے اور شاہ شمس تبریزیؒ کا دامن تھام لے۔(شمس تبریزیؒ مولانا روم کے شیخ ہیں)

۶؎تھوڑی سی دیر،اولیاء کی ہمنشینی ۱۰۰ سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

۷؎اگر تو سنگ خارہ اور سنگ مرمر ہو۔جب صاحب دل کے پاس پہنچے گا تو موتی بن جائے گا۔

(سنگ خارہ ایک قسم کا سخت پتھر ہے اور مرمر ایک قسم کا سفید پتھر ہے)

۸؎ہاں کسی دل والے سے (لیکر) دل کو خوراک دے۔جا!کسی نصیبہ والے سے نصیبہ تلاش کر۔

(ہمدل اس شخص کو کہتے ہیں جس سے دل لگے اور مقبل اقبال مند کو کہتے ہیں)

۹؎کسی دولت والے کا دامن تھام لے تا کہ اس کی بزرگی سے تو بلندی پالے۔

۱۰؎نیک کی صحبت تجھے نیک بنائے گی۔بدبخت کی صحبت تجھے بدبخت بنائے گی۔

۱۱؎اللہ کی جانب سے اولیاء کو قدرت حاصل ہے کہ وہ چھوٹے ہوئے تیر کو راستہ سے واپس لے آئیں (تیر جستہ) کمان سے چلے ہوئے تیر کو واپس کر سکتے ہیں۔اولیاء کی کرامت حق ہے۔

۱۲؎اللہ تعالیٰ کا حکم کسی پہنچے ہوئے سے معلوم کرلے۔ہر دل،خدا کے حکم کو معلوم نہیں کر سکتا۔

۱۳؎پیر کا توسل اختیار کر،یہ سفر بغیر پیر کے آفت اور خوف وخطر سے پر ہے۔

۱۴؎اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ دستگیری کرتا ہے (وہ) طالبوں کو (اللہ تعالیٰ) کی درگاہ تک لے جاتا ہے مطلب یہ کہ مرد عارف دستگیری کرتا ہے۔

۱۵؎تو جا عقل مند کے سایہ کی پناہ لے تا کہ چھپ کر لڑنے والے دشمن سے نجات پالے۔(چھپا ہوا دشمن شیطان ہے) بعض مقامات پر شیطان کو کھلا ہوا دشمن اور نفس کو چھپا ہوا دشمن کہا گیا ہے۔

۱۶؎جب پیر بنالے خبردار!سرِ طاعت رکھدے۔موسیٰؑ کی طرح (حضرت) خضرؑ کے حکم کے ماتحت چل۔

۱۷؎اے مخلص!خضرؑ کے کام پر صبر کرتا کہ خضرؑ یہ نہ کہدے کہ جا!یہ جدائی ہے (نوٹ) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ سے صبر نہ ہوا تو حضرت خضرؑ نے انسے کہدیا آپ جدا ہو جاؤ۔

۱۸؎خواہ وہ خضر کشتی توڑ دے تو اعتراض نہ کر۔خواہ وہ بچے کو مار ڈالے تو رنج نہ کر۔(تشریح) حضرت خضرؑ نے اس کشتی میں سوراخ کر دیا جس میں سوار ہوتے تھے دوسری مرتبہ حضرت خضر نے معصوم بچے کو مار ڈالا تھا۔(نوٹ) اس قصہ کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے۔حضرت خضرؑ نے جس بچے کو مارا وہ اس کی موت نہ تھی بلکہ اس کی حیات جاودانی تھی۔

۱۹؎جب خدا نے اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔یہاں تک کہ ”اللہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ پر ہے“ فرمایا ہے۔

(تشریح) یداللہ سے اشارہ اس طرف ہے کہ جب شجرۂ رضوان کے نیچے آنحضور ﷺ نے صحابہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت لی تھی اس کے بارے میں قرآن نے کہا ہے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔

۲۰؎کوئی راستہ کا یار چاہئے،تنہا نہ جا۔اس جنگل میں تنہا نہ جا۔

۲۱؎(ایسا) کم ہے کہ تنہا کسی نے یہ راستہ طے کیا ہو۔وہ بھی بزرگوں کی باطنی توجہ کی وجہ سے پہنچا ہوگا۔مطلب یہ کہ بغیر شیخ کامل کے کسی کو شاذ و نادر کوئی مرتبہ حاصل ہوا ہے تو وہ بھی دراصل کسی بزرگ کی روح کا تصرف ہے۔

۲۲؎پیر کا ہاتھ غیر حاضر لوگوں سے بھی کوتاہ نہیں ہے اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہاتھ ہے۔دست پیر کے متعلق قاضی صاحب نے شرح میں لکھا ہے کہ شیخ کا ہاتھ دراصل اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

گفت پیغمبر کہ شیخِ رفتہ پیش ☆ چوں نبی باشد میانِ قومِ خویش

دعوت عمل

باطنی حواس کی ترقی کے لئے رہبر کامل کی ضرورت ہے۔لیکن رہبر حاصل ہونے کے بعد ایک طالب کومولانا دعوت عمل دیتے ہیں۔اور مجاہدات کے ذریعے اس مقام تک پہنچ جانے کی تلقین کرتے ہیں جس کا نام مشاہدہ ہے۔مشاہدہ ہونے کے بعد اُسے اللہ کی طرف سے ان علوم کا القاء ہوتا ہے جہاں تک عام انسانی عقل کی رسائی نہیں ہوتی ہے۔سب سے پہلے مثنوی شریف کے اُن اشعار کا مطالہ کرنا مفید ہوگا جن میں مولانا عمل اور جہد کی تلقین کرتے ہیں۔

۱) کسب کن سعی نما و جہد کن ☆ تا بدانی سر علم من لدن

۲) گرچہ ایں جملہ جہاں پر جَہد شُد ☆ جہد کے درکامِ جاہل شہد شُد

۳) دوست دارو دوست ایں آشفتگی ☆ کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

۴) آنکہ اُوشاہ است او بیکار نیست ☆ نالہ از وے طرفہ کو بیمار نیست

۵) بہر ایں فرمودہ رحمٰن اے پسر ☆ کلّ یومٍ ہُوَ فِیْ شَان اے پسر

۶) اندریں رہ می خراش و می تراش ☆ تا دم آخر دمے فارغ مباش

۷) تا دمِ آخر دمے آخر بود ☆ کہ عنایت با تو صاحب سرِ بود

۸) ہر کہ میکوشید گر مرد و زن است ☆ گوش و چشم شاہِ جاں بر روزن ست

۹) پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ ☆ دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ

۱۰) خواجہ چوں بیلے بدستِ بندہ داد ☆ بے زبان معلوم اُورا مراد

۱۱) دست ہمچو بیل اشارتہائے اوست ☆ آخر اندیشی عبارتہائے اوست

۱۲) چوں اشارتہاش را بر جان نہی ☆ در وفائے آں اشارت جاں دہی

۱۳) پس اشارتہاش اسرارت دہد ☆ بار بر دارد ز تو، کارت دہد

۱۴) گفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بہ آواز بلند ☆ بر توکل زانوئے اُشتر بہ بند

۱۵) رمزِ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ شنو ☆ از توکل در سبب کاہل مشو

۱۶) گر توکل میکنی در کار کن ☆ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

(ترجمہ اشعار)

۱) کما اور کوشش کر اور جدوجہد کر، تا کہ تو علم من لدن کا راز سمجھ لے۔

تشریح: لدن۔علم لدنی وہ علم ہے جو براہِ راست جناب باری سے حاصل ہو جیسا کہ آیت **و علمنا ہ من الدنا علما** میں فرمایا گیا ہے ''اور اس کو ہم نے اپنے پاس سے علم دیا ہے''

۲) اگرچہ تمام دنیا جدوجہد سے پر ہو رہی ہے۔جاہل کے منہ میں جدوجہد کب شرین ہوتی ہے مطلب یہ کہ تمام دنیا عالم اسباب ہے لیکن جاہل یعنی اس عقیدہ پر یقین نہ رکھنے والا اُس کو نہیں سمجھتا ہے۔

۳) اس پریشان حالی کو دوست پسند کرتا ہے، سونے سے لا حاصل کوشش بہتر ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کو کوشش اور سعی پسند ہے اگرچہ نتیجہ اس نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہے۔

۴) جو شاہ ہے وہ (بھی) بیکار نہیں ہے۔جو بیمار نہیں ہے اس کی آہ وزاری عجیب بات ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ باوجود تمام بے نیازیوں اور صمدیت کے مصروف کار ہے۔بدون بیماری کے آہ وزاری جس طرح باعث تعجب ہے اسی طرح حضرت حق کی بے نیازی کے باوجود مشغولیت باعث تعجب ہے۔

۵) اے بیٹا! رحمٰن نے اسی لئے فرمایا ہے۔اے بیٹا کہ وہ ہر روز کسی کام میں ہے۔رحمٰن اللہ کا اسم ہے نیز سورہ رحمٰن بھی مراد ہوسکتی ہے چونکہ یہ آیت اسی سورہ کی ہے۔**کل یومٍ ھو فی شان** یعنی صفات ذات جن کا وہ اظہار کرتا رہتا ہے کسی کو مارتا ہے اور کسی کو رزق دیتا ہے۔کسی کو حیات بخشتا ہے۔

۶) اس راستہ میں کانٹ چھانٹ کرتے رہو۔آخری سانس تک کسی وقت خالی نہ رہو۔تراش خراش سے کوشش اور سعی مراد ہے۔

۷) مرتے دم تک کوئی وقت ضرور ہوگا۔ کہ عنایت خداوندی تیری ہمراز ہوگی۔

۸) جو بھی کوشش کرتا ہے خواہ مرد ہو عورت۔ جان کے مالک کے کان اور آنکھیں جھروکے پر لگی ہیں ۔(قرآن میں ہے **"لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی"** (ترجمہ) میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام ضائع نہ کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ دوسرے مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے کام کا سننے اور دیکھنے والا ہے۔

۹) تو پَیر رکھتا ہے کیوں اپنے آپ کو لنگڑا بناتا ہے؟ تو ہاتھ رکھتا ہے پنجہ کیوں چھپاتا ہے۔

۱۰) آقا نے جب غلام کو بیلچہ تھما دیا۔ بغیر کہے اس کا مقصد معلوم ہو گیا مطلب یہ کہ زمین کھود۔ جب خدا نے یہ اعضاء دئے ہیں تو اشارہ ہے کہ ہاتھ پیر کو کام میں لا۔

۱۱) بیلچہ کی طرح ہاتھ اس کے اشارے ہیں۔ جس کا مطلب انجام بینی ہے

۱۲) جب تو اس کے اشاروں کو دل پر جمالے گا اور ان اشاروں کو پورا کرنے میں جان دیدے گا۔ دل پر جما لینے سے مراد دل پر نقش کرنا ہے۔

۱۳) تب اس کے اشارے تجھے راز عطا کریں گے۔ تیرا بوجھ ہلکا کردیں گے تجھے کام دیں گے۔ یعنی جب تم محنت اور ریاضت کروگے تو مجاہدہ سے کشف شہود ہوگا۔

۱۴) پیغمبر نے بلند آواز سے کہا ہے توکل کے ساتھ اونٹ کے گھٹنے باندھ دو۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا اِعقَلُ وَ تَوَکَّل ُ۔ اونٹ کے رسی باندھ اور خدا پر بھروسہ کر یعنی حفاظت کے جو اسباب ہیں وہ بھی اختیار کر۔

۱۵) اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللہ کا نکتہ سنو۔ توکل کی وجہ سے سبب کے معاملہ میں سست نہ بنو۔ الکاسب حبیب اللہ کا مطلب یہ ہے کہ کسب کرنے والا اللہ کا محبوب ہے اور یہ مشہور مقولہ ہے۔ لہٰذا انسان کو اسباب اختیار کرنے میں سستی نہ کرنی چاہئے۔

۱۶) اگر تو توکل کرتا ہے۔ کاروبار میں کر۔ کما اور پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ کام میں لگ کر توکل کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ضروری ہے کہ خدا پر بھروسہ ہو ورنہ انسان مصائب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

دعوت ایمان

مولانا کے نزدیک سب سے پہلی سیڑھی جو آدمی کو اس دنیا کے اندر سر کرنی ہے وہ ایمان بالغیب ہے۔

یومنون بالغیب می باید مرا ☆ تا بہ بستم روزنِ فانی سرا

(ترجمہ) اللہ نے فرمایا ہمیں غیب پر ایمان لانے والے درکار ہیں اس لئے میں نے دنیا کے سوراخ بند کردئے ہیں۔

اپنی عالمی شہرت یافتہ کتاب میں جس بات کو مولانا نے بڑی شرح اور بسط کے ساتھ بیان کیا ہے وہ اسباب کی نفی اور مسبب الاسباب یعنی اللہ کی ذات عالی سے کسی بھی مہم یا معاملہ میں کامیابی کا یقین پیدا کرنے سے متعلق ہے مولانا کے نزدیک تمام قرآنِ پاک کی اصل غرض و غایت بھی یہی ہے کہ انسانوں کے دلوں میں یہ یقین راسخ ہوجائے کہ اسباب اختیار کرنے کے باوجود بھی اسباب سے نتائج تب ہی مرتب ہونگے جب اللہ چاہے گا اور ہر معاملے میں کامیابی کے یقین کو اللہ کی ذات عالی کے ساتھ وابستہ رکھے۔ ان کا اپنا شعر ہے ؎

جملہ قرآن ہست در قطعِ سبب ☆ عزِّ درویش و ہلاکِ بولہب

(ترجمہ) پورا قرآن قطع اسباب پر ناطق ہے درویش کی عزت اور بولہب کی ہلاکت۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن بتاتا ہے کہ بہت سی مہمیں بغیر ظاہری اسباب کے سر ہوئی ہیں۔ ساتھ ہی مولانا یہ بھی فرماتے ہیں کہ اسباب اختیار کرنا گناہ نہیں بلکہ اسباب کا اختیار نہ کرنا ایک قسم کی بے اعتدالی ہے لیکن صرف اسباب پر یقین کرنا گمراہی ہے۔ مولانا یہ بھی فرماتے ہیں کہ بطور تدبیر کے اسباب کا اختیار کرنا میں نے آنکھ والوں یعنی انبیاء سے سیکھا ہے۔ لہٰذا میں نے ظاہری سبب کی طرف دھیان کرلیا

تھالیکن اسباب کے علاوہ ایک ذات مسبب الاسباب ہے انبیاء نے معجزات دکھا کر ثابت کر دیا ہے کہ اسباب ظاہری کے علاوہ اور اسباب ہیں اور وہ یقین کے ساتھ شریعت کے اعمال پر پابندی کرنے سے حاصل ہوجاتے ہیں۔ان کے اشعار ہیں ؎

چشم بر اسباب از چہ دوختم ☆ کہ زخوش چشماں کرشم آموختم
ہست بر اسباب اسبابِ دگر ☆ در سبب منگر دراں افگن نظر
انبیاء در قطع اسباب آمدند ☆ معجزات خویش بر کیواں زدند
بے سبب مر بحر را بشگافتند ☆ بے زراعت چاشِ گندم یافتند
ریگہا ہم آرد شد از سعیِ شاں ☆ پشمِ بُز ابریشم آمد کشکشاں
مُرغ باپیلے دو سہ سنگ افگند ☆ لشکرِ زَفتِ حَبش را بِشکنَد
پیل را سوراخ سوراخ افگند ☆ سنگِ مرُغے کو ببالا پر زند
دُمّ گاوِ کُشتہ بر مقتول زن ☆ تا شود زندہ ہماں دم در کفن
حلق ببریدہ جہد از جائے خویش ☆ خونِ خود جوید زِ خوں پالائے خویش
ہمچنیں زِ آغازِ قرآن تا تمام ☆ رفض اسباب ست وعلت والسلام
کشف ایں نز عقل کارفزا شود ☆ بندگی کن تا ترا پیدا شود
بند معقولات آمد فلسفی ☆ شہسوارِ عقلِ عقل آمد صفی

(ترجمہ)

۱ میں نے اسباب پر نظر کیوں جمائی ؟اس لئے کہ اچھی آنکھوں والوں سے میں نے ادا سیکھ لی۔یعنی اگر چہ ہر چیز کا حقیقی سبب ذات خداوندی ہے لیکن اسباب ظاہری اختیار کرنا میں نے انبیاء سے سیکھا ہے۔
۲ اسباب (دنیوی) سے اوپر دوسرے اسباب ہیں (دنیوی) اسباب کو نہ دیکھ ان پر نظر ڈال۔

۳ انبیاء قطع اسباب میں ہیں۔انہوں نے اپنے معجزے زحل پر قائم کئے ہیں۔یعنی انبیاء نے معجزات دکھا کر ثابت کر دیا ہے کہ اسباب ظاہری کے علاوہ بھی اسباب ہیں۔کیواں ستارہ زحل کو کہتے ہیں جو ساتویں آسمان پر ہے اور مجازاً ساتویں آسمان کو بھی کہتے ہیں (زحل کی بلندی مشہور ہے)
۴ انہوں نے بلا سبب ظاہری کے دریا کو پھاڑا۔انہوں نے بغیر کھیتی کے گیہوں کا ڈھیر پایا یعنی بغیر کسی ظاہری سبب کے حضرت موسیٰ کے لئے دریائے نیل پھٹ گیا حضرت موسیؑ کے لئے من وسلویٰ اترتا تھا۔
۵ ان کی کوشش سے ریتے آٹا بنے ہیں۔بھیڑ کی اون لچھے دار ریشم بنی ہے۔یعنی حضرت ابراہیمؑ کے لئے ریت آٹا بن گیا تھا اور حضرت موسیٰ کی والدہ کے لئے اون ریشم بن گیا تھا۔
۶ پرند ہاتھی پر دو تین کنکریاں گراتا ہے۔حبش کے بھاری لشکر کو شکست دے دیتا ہے یعنی ابرہہ یعنی حبشی کا ہاتھیوں کا لشکر ابابیلوں کی کنکریوں سے تباہ ہوا۔
۷ ہاتھی کے سوراخ سوراخ کر ڈالتی ہے۔پرند کی کنکری جو اوپر کو اڑتا ہے یعنی ہاتھی پر کنکری گرتی تھی اور اس کے بدن کو چھلنی کر دیتی تھی۔
۸ ذبح شدہ گائے کی دُم،مقتول پر مارتا کہ وہ اُسی کفن میں زندہ ہو جائے۔
(تشریح) سورہ بقر میں مذکور ہے حضرت موسیؑ نے ایک گائے ذبح کر کے اس کا گوشت یا دم مقتول پر ماری تو اس نے زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتا دیا۔
۹ گلا کٹا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھ پڑے گا۔اپنے خون بہانے والے سے اپنے خون کا مطالبہ کرے گا۔
۱۰ اسی طرح قرآن کے شروع سے آخر تک اسباب وعلت کا ترک (مذکور) ہے والسلام۔یعنی قران تعلیم دیتا ہے کہ اسباب میں تاثیر مسبب الاسباب کی وجہ سے ہے۔
۱۱ اس کا کشف کار فزا عقل سے نہیں ہوتا ہے؟ بندگی کرتا کہ تجھ پر ظاہر ہو جائے مطلب یہ کہ مسبب الاسباب کا موثر ہونا دنیاوی عقل سے سمجھ میں نہ آئے گا اس کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہے۔

۱۲فلسفی معقولات کا پابند ہے۔منتخب (انسان) عقل کا شہسوار ہے۔مطلب یہ کہ فلسفی محض دنیاوی عقل میں مقید ہے۔اوراللہ کے ولی کے پاس عقلِ عقل ہوتی ہے یعنی وہ نورحق جوعقل کونور بخشتا ہے۔

﴿ایک ضروری اطلاع﴾

مثنوی مولانا رومؒ ایک سمندر ہے۔اندازہ تھا کہ شاید یہ رسالہ ان کی تعلیمات کا مختصر احاطہ کرے گا لیکن اس وسیع سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں بے شمار لعل وجواہر چھپے ہوئے ہیں جن کو اپنی بساط کے مطابق قارئین کے سامنے پیش کرنا رسالہ ھٰذا کے ذمہ ایک قرض ہے جو اپنے مناسب وقت پر ادا کیا جائے گا۔ان ہی الفاظ کے ساتھ فی الحال یہ پیر رومی نمبر سر بہ مہر کیا جاتا ہے۔(باقی آئندہ انشاء اللہ)

﴿ایک ضروری اطلاع﴾

راہ نجات کی توسیع و ترسیل کے لئے درج ذیل اصحاب نے ذمہ داری قبول کی ھے

نمبر شمار	کون	کہاں	مکمل پتا	رابطہ نمبر
1	محترم محمد الطاف بٹ صاحب	کلگام	بیہامہ کھنہ بل کُلگام	Cell 9858705439
2	محترم مولانا طالب بشیر ندوی صاحب	ٹنگمرگ	چندی لورہ ٹنگمرگ	Cell 9622922247
3	ڈاکٹر فیض احمد فیاضؔ صاحب	ہندواڑہ و رفیع آباد	سوپرنا گہامہ بارہمولہ	Cell 9622706839
4	محترم مزمل عمر بنگرو صاحب	سرینگر	اشمس واریخانقاہِ مُعلی سرینگر	Cell 9596304647

شرعی اور فقہی اصطلاحات کی وضاحت سوال وجوب کی روشنی میں

از عاصیؔ غلام نبی وانی (ایم۔اے عربی، فارسی کشمیر یونیورسٹی)

(سوال) دنیا میں سب سے برا عقلمند کون ہے؟

(جواب) سب سے بڑا عقلمند آدمی وہ ہے جو ان باتوں پر غور وفکر کرے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے کیا کرنے کے لئے آیا ہے اور مر کر اُسے کہاں جانا ہے۔

(سوال) یہ سب کچھ اسے کہاں سے معلوم ہو جائے گا؟

(جواب) یہ سب کچھ اسے پیغمبروں کی تعلیمات سے معلوم ہو جائے گا۔

(سوال) دنیا کے اندر بڑے بڑے فلسفی سائنسدان اور دوسرے علوم کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوئے ہیں کیا وہ ان باتوں میں عوام کو کچھ بتا سکتے ہیں یا ان کی کچھ رہبری کر سکتے ہیں؟

(جواب) وہ ان امور میں کچھ رہبری نہیں کر سکتے ہیں کیوں کہ ان معاملات میں وہ ایسے ہی بے بس ہیں جیسے عام لوگ بے بس ہیں۔

(سوال) پھر ان باتوں میں لوگوں کی رہبری کون کر سکتا ہے؟

(جواب) ان باتوں میں انسان کی رہبری صرف اللہ کے پیغمبر ہی کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی تربیت براہ راست خدا ہی کرتا ہے۔

(سوال) خدا ہر ایک کی تربیت الگ الگ کیوں نہیں کرتا ہے اور انسانوں کی تربیت کے لئے انسانوں کو ہی کیوں منتخب کرتا ہے؟

(جواب) پیغمبر بھی بنیادی طور پر انسان ہی ہوتے ہیں وہ ان باتوں پر خود عمل کر کے دکھاتے ہیں کہ یہ باتیں انسان کے بس کی ہیں اور ہر ایک انسان ان کو کر سکتا ہے۔اگر کسی پیغمبر کے بجائے اللہ کسی فرشتے کو انسانوں کی تربیت کے لئے بھیجتا تو نہ معلوم یہ ظالم و جاہل انسان کتنے خدشات و

اعتراضات پیش کرتا۔مثلاً یہ کہ فرشتہ ہی اس طرح کا کام کرسکتا ہے اور انسان یہ نہیں کرسکتا وغیرہ وغیرہ۔انسان کو رسول بنا کر بھیجنے میں یہ حکمت ہے کہ انسانوں کو جو کچھ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے وہ ان کی قوتِ برداشت سے باہر نہیں ہے۔اور پیغمبر بطور نمونہ پیش کئے گئے۔

(سوال) جس علم کے ذریعے سے انسان اپنے مقصدِ حیات کو پاسکتا ہے اس کا نام کیا ہے؟

(جواب) اس علم کا نام علم دین ہے۔اس دین سے ہمیں دنیا کے اندر زندگی گذارنے کا صحیح راستہ معلوم ہوجاتا ہے اور پیغمبر اس کے داعی ہوتے ہیں۔

(سوال) داعی کسے کہتے ہیں؟

(جواب) داعی دعوت دینے والے یا بلانے والے کو کہتے ہیں۔دوسروں کو کسی کام کے لئے اُکسانے والے کو کہتے ہیں۔چونکہ پیغمبر لوگوں کو اللہ کے احکام پر چلنے کے لئے اُکساتے ہیں اس لئے وہ دین کے داعی کہلاتے ہیں۔

(سوال) خدا کے احکام کی کتنی قسمیں ہیں؟

(جواب) خدا کے احکام کی دو قسمیں ہیں۔جن کو جاننا اور ماننا بندے کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ایک قسم کے احکام پر عمل کرنے کے لئے ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء کی حاجت ہے مثلاً نماز، روزہ، حج وزکوۃ وغیرہ دوسرے قسم کے احکام کے لئے ان اعضاء کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کا صرف دل سے یقین کرنا اور مان لینا ہی کافی ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا اور اس کو سمیع وعلیم وبصیر سمجھنا یا قیامت اور جنت ودوزخ کو حق سمجھنا۔

(سوال) علماء نے لوگوں کی آسانی کے لئے اس معاملے میں کون سی خدمت انجام دی ہے؟

(جواب) اللہ ان حضرات کے درجوں کو بلند فرمائے۔ان حضرات نے لوگوں کی آسانی کے لئے قرآن واحادیث سے پہلی قسم کے احکام کو نکال کر تفصیل سے جدا مرتب کیا اور دوسری قسم کے احکام کو

الگ نکال کر تفصیل کے ساتھ لکھا۔

(سوال) دونوں قسم کے احکام کو الگ الگ نکال کر ان کا کیا نام رکھا؟

(جواب) پہلی قسم کے احکام کا نام **علم فقہ** اور دوسری قسم کے احکام کا نام **علم عقائد** رکھا۔

(سوال) حضور ﷺ کے زمانے میں علوم الگ الگ ترتیب نہیں دئے گئے تھے پھر یہ کیونکر دینی علوم ہوگئے؟

(جواب) وہ ایک بہت ہی اچھا دور تھا۔جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا ''خیر القرونِ قرنی ثم الّذین یَلونھم ثم الّذین یَلونھم'' (ترجمہ) اچھا دور میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد ہے پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد ہے۔(رواہ البخاری) وہ ایک ایسا مبارک دور تھا جس میں لوگوں کے ذہن صاف اور طبیعتیں پاک تھیں اور اہل فساد بھی کم تھے۔اُس مبارک زمانے کے بعد طرح طرح کے واقعات پیش آئے۔علماء نے ان احکام کو جو مختصر طور سے قرآن واحادیث میں مذکور تھے تفصیل کے ساتھ الگ الگ عنوان کے تحت جمع کردیا اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے علوم جن کی حاجت پڑتی گئی مرتب کرتے گئے۔

(سوال) کیا علم عقائد کا اور بھی کوئی نام ہے؟

(جواب) جی ہاں! اس علم عقائد کا دوسرا نام علم کلام بھی ہے کیونکہ جب یہ علم مرتب کیا گیا تو ہر مسئلہ میں سب سے پہلے لفظ کلام لایا کرتے اور یوں کہا کرتے یعنی **الکلام فی کذا** (ترجمہ) کلام شروع ہے فلاں مسئلہ میں۔پس اس سبب سے اسکو علم کلام کہنے لگے۔

(جاری)

بزرگانِ دین سے محبت اور استفادے کا شرعی طریقہ

از ڈاکٹر نذیر احمد زرگر صاحب (پی۔ایچ۔ڈی اسلامیات کشمیر یونیورسٹی)

موجودہ دور فتنوں کا دور ہے۔مغرب کے تعلیمی نظام اور اس کے زیر اثر تشکیل پانے والے ذہن کا یہ اثر ہوا کہ دین، دینی اقدار، احترام، روحانیت، فکرِ آخرت، انابت اللہ، تعلق مع اللہ اور سوز دروں جیسی اصطلاحات غریبُ المعنیٰ معلوم ہونے لگی ہیں۔دنیا اور آرائش و آلائشِ دُنیا مطمحِ نظر بن گیا اور تعیش وعیش کوشی زینتِ انسانیت بلکہ مقصدِ حیاتِ انسانی ٹھہرا۔عہدِ حاضر کے انسان نے اپنے بے باک ذہنِ نارسا کے بل پر ربِ حقیقی کا گویا عملاً انکار ہی کر دیا ہے۔مگر جب دیکھا اور تجربے نے ثابت بھی کیا کہ انسان خدائے قادرِ مطلق پر یقین کئے بغیر ایک قدم بھی کارگاہِ ہستی میں آگے نہیں بڑھ سکتا تو اس نے اپنے لئے نیا خدا تراش کر اپنے دل و دماغ کو آسودگی بخشنے کی کوشش کی۔جی ہاں! دورِ جدید کے خدا بیزار دہریئے کا خدا مادہ ہے اور مادہ پرستی ہی اسکی خدا پرستی ہے۔اسلئے انسانی اقدار ،اخلاقی بلندی، آپسی محبت والفت، خلوص واخلاص جیسی پاکیزہ اصطلات مغربی اور مغرب زدہ ذہن میں صرف مادی مفاہیم ومطالب کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔اعلیٰ روحانی قدروں اور للّٰہیت سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ مادہ پرستوں کی ظاہری دین داری بے دینی کی بدترین صورت ہے۔

ان حالات میں ربِ حقیقی اور اس کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ تعلق اور ان کی صحبت سے مستفید ہونا تضیع اوقات اور مذہبی جنون و توہم پرستی کے سوا اور ہو کیا سکتا ہے؟ دین و مذہب کی مادی تعبیر و تشریح کرنے والوں کی جب بات نہیں بنتی اور وہ دین کو اپنی دنیا کی ترقی میں رکاوٹ خیال کرتے ہیں تو سستے نفاق سے کام چلاتے ہوئے منافقانہ انداز میں خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں جب کہ دل میں ذرا بھر یقین نہیں رکھتے کہ دنیا و آخرت کے چھوٹے بڑے مسائل چاہئے وہ انفرادی سطح کے ہوں یا اجتماعی سطح کے کا حل صرف دین اور دیندارانہ زندگی میں اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر

محمد ﷺ کی کامل اتباع اور اطاعت میں ہی پوشیدہ ہے۔یہ محض کوئی مذہبی خوش عقیدگی اور اندھا یقین نہیں بلکہ صدیوں سے انسانی علوم اور تجربات نے اس دعوے کے ثبوت کے لئے دورِ جدید کے انسان کے سامنے ٹھوس شواہد پیش کر دیے ہیں جن کی تفصیل کا متحمل موجودہ رسالہ نہیں۔پھر یہ بھی اپنی جگہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسی پاک زندگیاں خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کے برگزیدہ نبی ﷺ کی پاکیزہ سنت کے سائے تلے وجود میں آنے والی پاک و مصفیٰ زندگیوں سے تعلق کی بنا پر ہی وجود میں آسکتی ہیں کہ چراغ سے چراغ جلتے ہیں اور زندگیاں زندگیوں سے ہی نمو پاتی ہیں۔

مطلب یہ کہ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ محبت و تعلق سے ہی آدمی صحیح دینی زندگی گزارنے میں کامیاب ہو سکتا ہے اور فی الحقیقت یہی طریقہ ازل سے تربیت و تعمیرِ شخصیت کا رہا ہے۔اس کے باوجود ہمارے زمانے کی ستم ظریفی یہ ہے کہ بظاہر دین دار قسم کے لوگ بھی اس طرح کے محبت و تعلق سے وحشت محسوس کرتے ہیں اور نتیجے کے طور پر خشک کلامی زندگیاں گزاتے ہوئے اسی زُعمِ باطل میں رہتے ہیں کہ ایک ہم ہی ہیں زمانے میں۔دوسری طرف کچھ حضرات بزرگانِ دین کے ساتھ کچھ اس قسم کا تعلق اور محبت روا رکھتے ہیں کہ خدا پرستی کی حدود کو پھلانگتے پھلانگتے شخص پرستی بلکہ اشیاء پرستی تک کے شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔اس لئے کہنا پڑتا ہے۔کہ بہت کم لوگ ایسے ملتے ہیں جو اولیاء اللہ سے وہی تعلق اور حقیقی بندگانِ خدا سے وہی محبت اور ان پاکیزہ نفوس کے بارے میں وہی اسلامی عقیدہ رکھتے ہیں جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول برحق ﷺ کی سنت مطہرہ میں دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور دین کے بزرگوں سے محبت و تعلق ایمان کی علامت بھی ہے اور اسکی سلامتی کی ضمانت بھی۔بایں ہمہ بزرگانِ دین کے ساتھ غیر شرعی اور مبالغہ آمیز حد تک محبت و تعلق اور ان کی ایسی عقیدت رکھنا جسکا مزاج دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں نہ صرف اللہ کی

ناراضگی کا سبب ہے جو کہ فی الواقع بہت بڑا خسران ہے بلکہ اس پر مستزاد خود ان بزرگوں کے فیض سے بھی محرومی کا ذریعہ ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کو یہ بخوبی معلوم ہو کہ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے ساتھ عقیدت وتعلق کے حوالہ سے قرآن وسنت اور اور شریعت مطہرہ نے کیا حدود بتلائے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو کہ ان برگزیدہ ہستیوں کی شان میں ذرہ سی بھی بے ادبی کس طرح دین وایمان کے زوال کا باعث بن سکتی ہے۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر خود اس بات کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اولیاء اللہ حقیقت میں ہوتے کون ہیں اور ان کے اوصاف وخصائل کیا ہوتے ہیں ۔قرآن مجید اور سنت مطہرہ نے ان کی شناخت کی کیا علامات متعین فرمائی ہیں؟ آیندہ سطور میں دین کی اسی نوعیت کی تعلیمات کو اجاگر کرنے کی ایک حقیر سی کوشش کی گئی ہے۔

اگر چہ اس وقت امت مرحومہ بڑے بڑے مسائل سے دوچار ہے۔مسلمانان عالم نہ صرف بیرونی سطح پر عالمی سازشوں کے نرغے میں ہیں بلکہ داخلی سطح پر بھی باہمی خلفشار، آپسی اختلاف اور بدظنی کے شکار ہیں۔

اس خیال سے کہ ہمارا کوئی خیر خواہ بھائی یا بہن یہ کہے کہ فی الحقیقت اتنے اہم مسائل ومصائب سے دوچار ہوتے ہوئے ایسے بظاہر غیر اہم یا نسبتاً کم اہمیت کے حامل موضوع پر خامہ فرسائی کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ہم اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ اس موضوع کی اہمیت کو بالاختصار اپنے قارئین کے سامنے عرض کردیں۔

اسلام جہاں عمل پر زور دیتا ہے وہیں عقیدے کے بارے میں اس سے کہیں بڑھ کر حساس ہے۔حتیٰ کہ یہ بات مسلّم ہے کہ اگر کسی عمل میں اخلاص ہی مفقود ہو جو کہ عمل کی روح ہے تو وہ عمل درست ہونے کے باوجود مردود ہے۔مگر اگر کسی شخص کا عقیدہ ہی درست نہیں تو اس کے سارے اعمال مردود ہیں چاہیئے اس کے پاس اخلاص بھی اعلیٰ سطح کا ہو۔

اسلام میں عقیدے کی اساس توحید باری تعالیٰ ہے اور باقی سارے عقائد اسی مرکز کے گرد گھومتے ہیں۔ (جاری)

﴿آپکے خطوط﴾

محترم منیر احمد وانی صاحب ایڈیٹر ''راہِ نجات'' بارہمولہ

اسلام علیکم:

''راہِ نجات کا پہلا شمارہ بذریعہ سالکؔ بلال حاصل کیا۔اولین فرصت اور ایک ہی نشست میں اس کی ورق گردانی کی۔الحمدللہ بہت نفع ہوا پہلا ہی شمارہ اس موضوع کے لئے وقف کرنا جس پر ابھی تک کچھ بھی نہیں لکھا گیا ہے واقعی قابل تحسین ہے۔رسالہ ہر ماہ اپنی آن بان اور شان وشوکت کے ساتھ چھپے ہم اس کی امید رکھتے ہیں البتہ کہیں یہ دوسرے چند رسالوں کی طرح صرف مسلمانوں کے ایک مکتبۂ فکر کی ترجمانی نہ کرے۔اس سلسلے میں چند گذارشات ہیں:

۱۔ رسالہ کسی ایک مکتبۂ فکر کا ترجمان نہ ہو۔

۲۔ کسی بھی دینی تحریک کی بے جا تنقید وتنقیص سے ہمیشہ پرہیز کیا جائے۔

۳۔ مسالک اور اختلافی مسائل کو نہ چھیڑا جائے۔

۴۔ رسالہ میں ان ہی مضامین کو جگہ دے دی جائے۔جو تحقیق کی بنیاد پر لکھے گئے ہوں اور جن مضامین سے ایمان مستحکم ہوجائے اور عمل صالح کی ترغیب مل جائے امید ہے کہ ان گذارشات پر عمل کیا جائے۔شمارہ بابت ماہِ جنوری ۲۰۱۲ء میں اداریہ عنوان کے تحت یہ شعر۔

کتابوں نے مجھے سب کچھ سکھایا کتابوں نے مجھے انسان بنایا

قارئین میں غلط تاثر پیدا کرسکتا ہے ۱۔کتاب سے تو صرف علم وحکمت کی باتیں حاصل کی جاسکتیں ہیں۔بقولِ علامہ اقبالؔ۔

دین مجو اندر کتب اے بے خبر☆علم وحکمت از کتب دین از نظر

از فیض احمد فیاضؔ قاضی آبادی

سوپرنا گہامہ ہندواڑہ

(نوٹ) مراسلہ نگار فیاضؔ صاحب ایک اچھے مقالہ نویس ہیں اور کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ان کا ایک قیمتی مقالہ مرید ہندی (اقبالؒ) نمبر میں شائع کیا جائے گا۔انشاءاللہ

۱۔عزت مآب ڈاکٹر فیاضؔ صاحب ہم آپ کے زرین مشوروں کی قدر کریں گے۔اللہ تمام مکاتب فکر کے دلوں کو جوڑ دے۔ہر دینی تحریک کو ہم اپنا حامی سمجھتے ہیں۔دوسرے مسالک کا پورا احترام کرتے ہوئے اپنے مسلک کا دفاع کرنا شاید کوئی بے ادبی نہیں ہو گی۔تحقیقی مضامین کو آسان زبان میں منظر عام پر لانا ہماری دلی تمنا ہے۔مذکورہ شعر کتابوں کی افادیت کے پیش نظر درج کیا گیا ہے۔فیضانِ نظر اپنی جگہ حق ہے۔شکریہ